ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

اسلام آباد میں غیر قانونسٹر فوجی ٹریننگ سینٹر

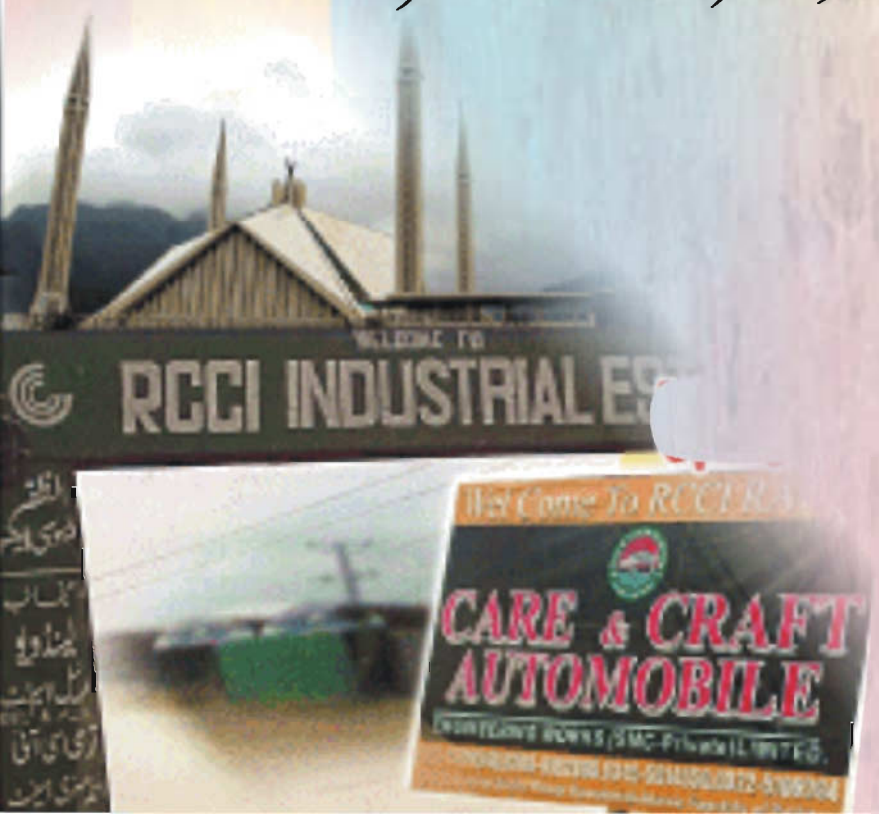

نورِ ہدایت

القرآن

اور اُس روز (اعمال کا) تُلنا برحق ہے تو جن لوگوں کے (عملوں کے) وزن بھاری ہوں گے، وہ تو نجات پانے والے ہیں اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے تئیں خسارے میں ڈالا، اس لیے کہ ہماری آیتوں کے بارے میں بے انصافی کرتے تھے۔

(الاعراف:۸،۹)

الحدیث

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے حجرہ مبارک سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے، اس وقت ہم لوگ آپس میں مسیح دجال کا تذکرہ کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لیے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے؟ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شرک خفی ہے (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو اور نماز کو سنوار کر اس لیے پڑھے کہ کوئی دوسرا اس کو نماز پڑھتے دیکھ رہا ہے۔

(ابن ماجہ)

الآثار

تجربات، پریشانیوں، گھبراہٹوں اور سخت آزمائشوں کے پیوندیوں لگے ہوئے ہیں جیسے آسمانِ دنیا پر ستارے، زندگی کی قبائے تارتار کے یہ پیوند ستاروں ہی کی طرح جگمگاتے، جھلملاتے، ایک دنیا کو لبھاتے ہیں اور زندگی کرنے کی خو پیدا کرتے ہیں۔ جو لوگ زندگی کرنے کی خو پیدا کر لیتے ہیں، وہ لوگ ہی دراصل سماج یا معاشرے کا سنگھار ہوتے ہیں۔ ایسے باہمت، عزم کے پیکر، کوہِ وقار لوگ اکثر و بیشتر امت کے تیسرے طبقے سے ہی کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ کسی نے کبھی سوچنے کی زحمت نہیں اٹھائی۔ شاید ماضی میں انسانی طبقوں کے حوالے سے کسی نے اس پہلو پر غور کیا ہو اور لکھا ہو مگر آج کے عہد خراب میں ان طبقوں کے متعلق تو سوچنا بھی معاصر استبداد سے بغاوت کے مترادف ہے۔ ہندوستان میں شاہ ولی اللہ، محمود حسن، ابوالکلام آزاد، عبیداللہ سندھی، عطاء اللہ شاہ بخاری، محمد گل شیر شہید، غلام غوث ہزاروی اور بیسیوں ایسے مرحومین کے نام گنوائے جاسکتے ہیں جو بڑی بڑی معاشرتی کٹھنائیوں کو عبور کر کے امت مسلمہ کے لیے چراغ راہ اور سنگ میل بن گئے۔ کوئی سی کلفت، اذیت، مزاحمت ان کی منزہ زندگی کے راستے میں سنگِ مزاحم نہیں بن سکی۔

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(اقتباس کالم، "دل کی بات" روزنامہ "خبریں"، ۱۴؍ جولائی ۱۹۹۶ء)

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 20 شمارہ 8 شعبان 1430ھ / اگست 2009ء

Regd.M.NO.32. I.S S.N.1811-5411

فہرست

دل کی بات:	ہم تو ڈوبے ہیں صنم......؟	مدیر	2
دین و دانش:	حفاظت حدیث اور صحابہ کی حضور ﷺ سے محبت	مولانا عبداللطیف مدنی	4
افکار:	احرار کا قافلہ تحفظ ختم نبوت	سید محمد کفیل بخاری	9
״	کیا یہ کڑوی گولیاں صرف عوام کے لیے ہیں؟	پروفیسر خالد شبیر احمد	14
״	وطن جب خوں مانگے گا تمہارے پاس کیا ہوگا؟	پروفیسر محمد حمزہ نعیم	17
شاعری:	نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	عابد صدیق مرحوم	19
״	غزل	پروفیسر خالد شبیر احمد	20
گوشہ امیر شریعت	عظمت کے نقوش (بیاد: سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ)	سید یونس الحسنی مرحوم	21
	امیر شریعت......ایک ہمہ گیر شخصیت	نوابزادہ نصر اللہ خان	22
	سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا سحر خطابت	مولانا مظاہر حسین	25
	حضرت امیر شریعتؒ کے ساتھ چند روز	مولانا محمد اکرم طوفانی	27
	حضرت امیر شریعت سے ایک یادگار ملاقات	مولانا عبدالکریم	32
	آزادیٔ کشمیر اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ	مولانا زاہد الراشدی	34
	امیر شریعت بے مثال خطیب، سحر انگیز شخصیت	شیخ تسیم الصباح	37
	''سیدی و ابی''......ایک تاثر	محمد الیاس میراں پوری	38
سفرنامہ:	سفر برطانیہ اور مختلف اجتماعات میں شرکت	عبداللطیف خالد چیمہ	41
آپ بیتی:	احرار اور تحریک آزادیٔ کشمیر	خواجہ محمد یعقوب	44
سیرت و سوانح:	حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا	ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی	47
تحقیق:	کونڈے، عید بابا شجاع اور عید غدیر	مولانا محمد نافع مدظلہ	56
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام کی سرگرمیاں	ادارہ	58
ترحیم:	مسافران آخرت	ادارہ	64

www.mahrar.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

زیر سرپرستی
حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری

مدیر مسئول
سید محمد کفیل بخاری

رفقائے کار
عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد
مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق
قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

آرٹ ایڈیٹر
محمد الیاس میراں پوری
ilyasmiranpuri@gmail.com
0300-632 1388

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد

زر تعاون سالانہ
اندرون ملک ——— -/200 روپے
بیرون ملک ——— /1500 روپے
فی شمارہ ——— -/20 روپے

[illegible] نقیب ختم نبوت

[illegible] 100-5278-1
[illegible] 0278 [illegible]

رابطہ: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
☎061-4511961

تحریک تحفظ ختم نبوت کا ترجمان مجلس احرار اسلام پاکستان

مقام اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل تو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات　　مدیر

ہم تو ڈوبے ہیں صنم.....؟

پاکستان میں امریکی مداخلت اپنے عروج پر ہے۔ زرداری اور نواز شریف دونوں کو ڈکٹیشن دی جارہی ہے۔ امریکی مفادات کے تحفظ کے لیے بہتر کارکردگی کی یقین دہانی کی بنیاد پر مستقبل میں نواز شریف کو بھی آگے لایا جاسکتا ہے۔ ہالبروک دونوں سے مل رہے ہیں۔ دونوں اپنی اپنی وفاداری کا یقین دلا رہے ہیں۔

دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

پہلے زرداری تمام مقدمات سے بری ہوئے اور وہ کسی بھی مقدمے میں سزا یافتہ نہیں تھے۔ پھر گیلانی پر قائم مقدمے ختم ہوئے اور اب نواز شریف نااہلی کے مقدمے کے بعد طیارہ سازش کیس سے بھی بری ہوگئے ہیں۔

وزیراعظم گیلانی نے سچ کہا ہے کہ:

''یہاں صدارتی نظام ہے نہ پارلیمانی یہاں صرف کھچڑی نظام ہے۔''

کھچڑی کون پکا رہا ہے؟ سامانِ کھچڑی کون مہیا کر رہا ہے؟ اور کھچڑی کون کھائے گا؟

مقتدر اور سیاست دان تو جانتے ہی ہیں کہ وہی اس کھچڑی نظام کا حصہ ہیں، لیکن اب عوام بھی جان گئے ہیں کیونکہ انھیں اس نظام میں بطور ایندھن استعمال کیا جارہا ہے۔

امریکی مداخلت سے:

- پاکستان کا ایٹمی پروگرام غیر محفوظ ہوگیا ہے
- ڈرون حملوں سے کوئی شہر بھی محفوظ نہیں
- پورے ملک کا امن تباہ ہو کے رہ گیا ہے
- حکمرانوں پر امریکہ کا خوف اور دہشت طاری ہے
- حکمران، عوام کو بھی خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں

لیکن امریکی رپورٹ کے مطابق پاکستان کے پچاسی فیصد عوام امریکہ کے خلاف ہیں۔ جبکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ حکمرانوں اور سیاست دانوں کو نکال کر پوری قوم امریکہ سے نفرت کرتی ہے۔

امریکی صدر اوباما نے اپنی تقریر میں جھوٹ بولا کہ:

''امریکہ مسلمانوں کا دوست ہے۔''

جبکہ امریکی خارجہ پالیسی اسلام اور مسلم دشمنی پر مبنی ہے۔ پوری دنیا میں مسلمانوں پر ظلم کیا جارہا ہے اور اسلام کے خلاف زہر اُگلا جارہا ہے۔ اس کے باوجود دنیا سے اسلام مٹا ہے نہ مسلمان۔ یہی غم امریکہ کو کھائے جارہا ہے۔

امریکی سینٹ نے پاکستان کے لیے ڈیڑھ ارب ڈالر کی امداد منظور کی ہے لیکن اسے طالبان اور القاعدہ کے خلاف کارروائی سے مشروط کیا ہے۔ سابق آمر نے بھی امریکہ کی ہاں میں ہاں ملا کر نقدی وصول کی اور موجودہ سول آمر بھی اسی پالیسی کا اعادہ کررہے ہیں۔ صرف چہرے بدلے ہیں، نظام وہی چل رہا ہے۔ پرویز مشرف نے کہا ہے کہ ''اگر بے نظیر زندہ رہتیں تو وہ وزیراعظم ہوتیں اور صدر میں ہوتا'' وہ چلے ہوئے کارتوس تھے اس لیے اُن کے خواب چکنا چور ہوگئے۔ اب وہ ملک سے باہر بیٹھ کر کلوخ اندازی کررہے ہیں اور اپنے زخموں کو چاٹ رہے ہیں لیکن نظام تو وہی چل رہا ہے۔ اس سے ملک میں امن نہیں ہوگا۔ امریکہ و یورپ کی جنگ اسلام اور امتِ مسلمہ کے خلاف ہے۔ ہم اُن کی جنگ کو اپنی جنگ قرار دے کر اپنے ہی بھائیوں سے لڑ رہے ہیں۔ چاہے سوات اور مالاکنڈ کے متاثرین اپنے گھروں میں واپس لوٹ جائیں تب بھی امن نہ ہوگا۔ یہ قتل و غارت گری، خودکش دھماکے اور بدامنی حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔

ظالم و غاصب امریکہ خود تو ڈوب رہا ہے لیکن اپنے فرنٹ لائن دوستوں کو بھی لے ڈوبے گا۔

امریکہ میں مالیاتی بحران عروج پر ہے۔ حال ہی میں مزید سات بینک دیوالیہ ہوگئے ہیں۔ صرف ۲۰۰۹ء میں ۶۴/امریکی بینک دیوالیہ ہوئے ہیں۔

اِدھر فرنٹ لائن سٹیٹ کا حال یہ ہے کہ:

پورا ملک بحرانوں کی زد میں ہے۔

بجلی کا بحران

پانی کا بحران

روزگار کا بحران

پٹرول کی قیمت میں اضافہ

گیس کے نرخوں میں اضافہ

معیشت کی بربادی

مہنگائی نے غریب عوام کی کمر توڑ دی ہے۔ اشیاء ضرورت قوتِ خرید سے باہر نکل گئی ہے۔ اپنے ہی ملک میں پیدا ہونے والی چیزوں کو خریدنے کی ہمت نہیں رہی۔ یہ ہے ڈوبتے امریکہ کی غلامی کا نتیجہ یعنی:

ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے

درس حدیث

حفاظتِ حدیث اور صحابہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

مولانا عبداللطیف مدنی (استاذ الحدیث جامعہ عربیہ چنیوٹ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی اور اس کی صداقت کا بیان جون ۲۰۰۹ء کے شمارے میں ہو چکا ہے، نیز حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حجیت اور اس کا اصولِ اسلام میں سے ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے لیکن منکرین حدیث کا یہاں ایک مغالطہ ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔

مغالطہ:

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ احادیث تیسری صدی ہجری میں مدون کی گئی ہیں اس لیے یہ اعتماد نہیں کہ وہ اصلی صورت پر باقی رہی ہوں، وہ ہم تک قابلِ اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچیں۔

جواب:

یہ مغالطہ بے بنیاد ہے اس لیے کہ تیسری صدی ہجری تو تدوین حدیث کا دورِ شباب ہے سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ عہدِ رسالت سے لے کر اب تک حدیث کی حفاظت کا کیا اہتمام ہوا، صرف کتابت ہی حفاظتِ حدیث کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی قابلِ وثوق اور لائق اعتماد ذرائع ہیں یہ بات یقینی ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں حدیث کی حفاظت کے لیے تین طریقے استعمال کئے گئے ہیں۔ (۱) حفظ حدیث (۲) تعامل (۳) کتابت ان کی قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

حفظ حدیث:

حدیث کی حفاظت کا پہلا طریقہ احادیث کو حفظ (یاد) کرنا ہے۔ عہد نبوی میں احادیث کو محفوظ رکھنے کا یہ اہتمام تھا کہ صحابہ کرام احادیث کا دور کرتے تھے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے احادیث سنتے رہتے تھے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھتے تو ہم آپس میں احادیث کا دور کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک آدمی کل احادیث بیان کرتا پھر دوسرا پھر تیسرا۔ اکثر اوقات مجلس میں ساٹھ ساٹھ آدمی ہوتے تھے اور ساٹھوں باری باری سے بیان کرتے تھے اس کے بعد ہم اٹھتے تھے تو احادیث اس طرح ذہن نشین ہو جاتی تھیں کہ گویا وہ ہمارے دلوں میں بودی گئیں ہیں۔ (مجمع الزوائد ۱۶۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اِنَّا کُنَّا نَحْفَظُ الْحَدِیْثَ وَالْحَدِیْثُ یُحْفَظُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الخ (مقدمہ صحیح مسلم ص ۱۰)

اور یہ طریقہ اس دور کے لحاظ سے نہایت لائق اعتماد اور قابل وثوق تھا۔

اہل عرب کا حافظہ ویسے ہی ضرب المثل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو غیر معمولی حافظے عطا فرمائے تھے وہ صرف اپنے ہی نہیں بلکہ اپنے گھوڑوں کے نسب نامے یاد کرلیا کرتے تھے، ایک ایک شخص کو ہزاروں اشعار یاد ہوتے تھے اور بسا اوقات کسی بات کو ایک بار سن کر یاد کیے پوری طرح یاد کر لیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق گفتگو چلی اور اختلاف پیدا ہوا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے مصرعہ یوں پڑھا تھا جو مخاطب تھا۔ اس نے پوچھا کہ آپ کو پہلی دفعہ سننے سے وہ مصرعہ یاد ہوگیا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ صرف یہ ایک مصرعہ نہیں۔ بلکہ مجھے ستر اشعار کا پورا قصیدہ ایک مرتبہ سننے سے یاد ہوگیا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ بنان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ عبیداللہ بن عدی بنا الخیار کے ساتھ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ ملنے گیا عبیداللہ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ مجھے پہنچانتے ہیں؟ تو حضرت وحشیؓ نے فرمایا کہ میں آپ کو پہچانتا تو نہیں البتہ مجھے اتنا تو یاد ہے کہ آج سے سالہا سال پہلے میں ایک دن عدی بن الخیار نامی ایک شخص کے یہاں گیا تھا اس عدی کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا تھا میں اس بچے کو چادر میں لپیٹ کر اس کی مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے پاس لے گیا تھا بچہ کا سارا جسم ڈھکا ہوا تھا صرف پاؤں میں نے دیکھے تھے تمہارے پاؤں اس بچہ کے پاؤں کے ساتھ بہت مشابہ ہیں۔ انھوں نے اس کی تصدیق کردی۔ اندازہ کیجئے اُن لوگوں کو اتنی معمولی باتیں بھی برسوں یاد رہتی تھیں۔

اسی طرح حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب ''الاصابہ'' میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے گورنر عبدالملک بن مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شہرت سن کر ان کا امتحان لینا چاہا اور انہیں بلا کر احادیث بیان کرنے کی درخواست کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بہت سی احادیث سنائیں ایک کاتب ان کو پردے کے پیچھے لکھتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چلے گئے۔ عبدالملک نے اگلے سال انہیں پھر بلوایا اور ان سے کہا کہ جو احادیث آپ نے پچھلے سال لکھوائی تھیں وہی احادیث انہی ترتیب کے ساتھ سنائیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر احادیث سنانی شروع کیں۔ کاتب اپنی کتاب سے ان کا مطالعہ کرتا رہا کسی ایک حرف ایک لفظ ایک شوشہ کی تبدیلی نہیں کی۔ انتہا یہ ہے کہ ترتیب بالکل وہی تھی اور کوئی حدیث مقدم موخر نہیں ہوئی۔ اس قسم کے حیرت انگیز واقعات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو غیر معمولی حافظے حفاظتِ حدیث کے لیے عطا فرمائے۔

ان حضرات صحابہؓ کی یادداشت اور قوۃِ حافظہ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

انتہائی محبت تھی اور انتہائی محبت میں یہ ہوتا ہے کہ محبوب کی باتیں اور ادائیں ایک مرتبہ سننے اور دیکھنے سے یاد ہو جاتی ہیں اور بھولتی نہیں جیسے ماں باپ کو بچوں سے محبت ہوتی ہے تو بچپن کی توتلی زبان کی باتیں انہیں برسوں یاد رہتی ہیں اور صحابہ کرامؓ کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عشق ومحبت کی مثال نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ ان کے کمال ایمان کی گواہی دے دی ہے اور کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا، جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب چیزوں پر غالب نہ ہو جائے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے ''**لایؤمن احدکم حتّٰی اکون احبّ الیہ من والدہ وولدہٖ والناس اجمعین**'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

صحابہ کرام کی محبت کے چند شواہد:

(۱) حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو شہادت کے وقت سولی پر لٹکانے کے لیے جب لایا گیا تو ابوسفیان نے (جو بعد میں رضی اللہ عنہ کا مصدق ہے) کہا: صرف اتنا لفظ زبان سے کہہ دو کہ ''کاش میری جگہ محمد رسول اللہ ہوتے'' تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا لیکن کسی کی محبت میں تختۂ دار جس کے لیے تیار کیا گیا تھا جانتے ہو اس کی زبان سے کیا لفظ نکلا۔ کہا! **واللّٰہ مااحب ان محمداً صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا ٔن فی مکانہ الذی ھو فیہ تصیبہ شوکۃ وانا جالس فی اھلی (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ "قاضی عیاض")** بخدا مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ اب تشریف فرما ہیں اس جگہ آپ کو کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں:

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ ہو نہیں سکتا
ان کے پاؤں کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے

اس جان گداز فقرے کو سن کر پتھر دل مجمع تڑپ گیا ابوسفیان کو اقرار کرنا پڑا اور اقرار صرف اس کے متعلق نہیں جس سے یہ فقرہ سنا گیا بلکہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ابوسفیان کا اقرار ہے:

''مارأیت من الناس احد یحب احمداً کحب اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم محمداً صلی اللّٰہ علیہ وسلم''

محمد کے صحابہ محمد کے ساتھ جس قدر محبت کرتے ہیں میں نے ایسی محبت کسی کے ساتھ کرتے نہیں دیکھا۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہمیں مال، اولاد، والدین اور پیاس میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ عزیز تھی۔

(۳)　سن چھے ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مشرکین مکہ نے عمرہ کرنے سے روکا تو پھر وفود کے واسطہ سے بات چیت شروع ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ قریش مکہ پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکل آئے ہیں اور پانی کی جگہوں پر انھوں نے قبضہ کرلیا ہے وہ ہرگز آپ کو نہ چھوڑیں گے کہ آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کسی سے جنگ کرنے نہیں آئے عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں اگر کوئی ہمیں عمرہ کرنے سے روکے گا تو پھر ہم قتال کریں گے۔ جانبین سے نمائندوں کی آمد ورفت جاری رہی۔ ایک مرتبہ قریش کے بڑے نمائندے عروۃ بن مسعود جو اپنی قوم کے سردار تھے نے قریشی سرداروں سے کہا کہ میں جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتا ہوں معاملہ حل، صحیح اور درست ہو جائے گا۔

چنانچہ عروہ بن مسعود گفتگو کے لیے حاضر ہوا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس کی نرم وگرم باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران عروہ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات کا مشاہدہ کرتا رہا اس نے دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی آوازیں پست کر لیتے اور جب آپ وضو فرماتے تو وضو سے گرنے والے پانی پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ٹوٹ پڑتے اور اپنے چہروں پر مل لیتے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوکا بھی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اپنے ہاتھوں پر لے کر اپنے چہروں سے مل لیا عروہ نے واپس جا کر قریش سرداروں کو جو رپورٹ پیش کی وہ سننے کے قابل ہے۔ اس نے بیان کیا کہ میں بڑے بڑے شاہی درباروں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے پاس جا چکا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا جس کی قوم اس پر اس طرح فدا ہو جیسے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پر فدا ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ان کی صلح والی بات مان لو مگر لوگوں نے کہا کہ ہم یہ بات نہیں مان سکتے مگر بالآخر ماننے پر مجبور ہو گئے تھے میں (کاتب) عرض کرتا ہوں کہ جانی دشمن بھی صحابہ کرام کی والہانہ محبت کا اقرار کرتا ہے۔ **والفضل ما شهدت به الاعداء**

(۴)　ایک انصاری خاتون کے باپ، بھائی اور شوہر غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ اس خاتون کو باری باری ان حادثوں کی خبر ملتی رہی، ہر بار صرف یہ پوچھتی جاتی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیریت ہیں۔ اس خاتون نے کہا مجھے چہرہ انور دکھلا دو اس نے پاس آ کر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی جب آپ زندہ وسلامت ہیں تو تمام مصیبتیں ہیچ ہیں۔

کہا چل کر دکھا دو مجھ کو صورت کملی والے کی
کہ ان تاریک آنکھوں کو ضرورت ہے اجالے کی

بڑھ کے اس نے رخِ انور کو جو دیکھا تو کہا
آپ سالم ہیں تو پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم
میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی اور بھی فدا
اے شہِ دین تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

(۵) حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ ایک باغ میں تھے، کسی نے آکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال کی خبر سنائی فوراً آنکھیں بند کرلیں اور رب العالمین کی بارگاہ میں عرض کی۔ خدایا جن آنکھوں سے میں نے محبوب دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالِ جہاں آرا دیکھا ہے۔ اب ان سے کسی دوسرے کو دیکھنا نہیں چاہتا مجھ سے میری بصارت لے لے چنانچہ ان کی بینائی جاتی رہی۔

مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند باتیں ذکر کی ہیں ان تمام واقعات سے واضح معلوم ہورہا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے مثال محبت تھی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی کیا قدر و قیمت ہوگی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال یاد رکھنے کا کتنا اہتمام کرتے ہونگے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کا صحیح اندازہ بھی بعد میں آنے والے بیچاروں کو کب ہوسکتا ہے۔ خصوصاً جب یہ بھی دیکھا جائے کہ جس جمالِ دلفروز کے نظارہ سے دیدہ و دل کی روشنی کا سامان ان کو میسر ہوا کرتا تھا۔ اب وہی ان کی نظروں سے پردہ میں جاچکا تھا۔ جس سمع عالم افروز پر پروانہ وار جان نثار کا منظر وہ رات دن پیش کیا کرتے تھے وہی شمع فروزاں اب محفل سے اٹھائی جاچکی تھی۔ جس چہرہ انور کی زیارت ان کے ہر درد کی درماں تھی وہی ان کے سامنے سے اوجھل ہوگیا تھا ایسے حالات میں ان کے زخمِ دل اور داغِ جگر کا مداوا حدیث یار کے تکرار کے سوا ہو بھی کیا سکتا تھا۔ آج لوگوں کو تعجب ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک حدیث کے لیے مہینہ بھر کی طویل مسافت کیسے طے کرلیا کرتے تھے، وہ طلبِ حدیث کے شوق میں گرما و سرما کی شدتوں سے بے پرواہ کیسے ہوگئے تھے۔ بیان حدیث کے دوران جب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی زباں پر آجاتا ان کا رنگ کیونکر بدل جاتا تھا ان پر گریہ وزاری، رقت و بے قراری کی کیفیت کس لیے طاری ہوجاتی تھی ان کے بدن پر لرزہ کیوں طاری ہوجاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عشق نبوی کی..... جو آگ ان کے دلوں میں لگادی گئی تھی اس کا نتیجہ اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا تھا۔

☆☆☆

احرار کا قافلۂ تحفظ ختم نبوت

سید محمد کفیل بخاری

عقیدۂ ختم نبوت، اسلام کی روح، ایمان کی جان اور وحدتِ امت کی اساس ہے۔ امتِ مسلمہ کی بقاء واستحکام اسی عقیدہ میں مضمر ہے۔ یہود ونصاریٰ نے تکمیل دین کے اعلان کے بعد پہلی ضرب عقیدۂ ختم نبوت پر لگائی تاکہ امتِ مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کیا جائے۔ نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری دنوں میں فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا۔ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اسود عنسی کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ میں حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور مسیلمہ کذاب کو خلیفۂ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ جہادِ یمامہ میں سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے مگر انھوں نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے قولِ فیصل ''جو مرتد ہو جائے اسے قتل کر دو'' کو سچ کر دکھایا۔

یوں تو چودہ صدیوں میں کئی ملعون اور جھوٹے افراد نے نبوت کے دعوے کیے اور اپنے اپنے عہد میں عبرتناک انجام سے دوچار ہو کر جہنم کا ایندھن بنے مگر گزشتہ صدی کے آخر میں ہندوستان کے نصرانی حکمران انگریز نے امتِ مسلمہ میں انتشار وافتراق پیدا کرنے کے لیے ایک ملعون شخص مرزا قادیانی کو اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے منتخب کیا۔ یہ شخص (بقول خود) ''انگریز کا وفادار اور خود کاشتہ پودا'' تھا اور اسی وفاداری کے تحت اس نے پہلے اپنے آپ کو مبلغ ومناظر اسلام کے طور پر متعارف کرایا اور پھر بتدریج مہدی، مجدد، مسیح موعود، ظلی وبروزی نبی اور آخر میں معاذ اللہ محمد واحمد (ﷺ) ہونے کا دعویٰ کیا۔ سب سے پہلے علماء لدھیانہ اور پھر علماء دیوبند اور پھر تمام مسالک کے علماء نے اس پر کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ مسلمانوں میں اضطراب بڑھا اور محدث کبیر حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیری قدس سرہٗ نے فتنہ قادیانیت کے عوامی محاسبہ کے لیے علماء حق کو تیار کیا۔ مارچ ۱۹۳۰ء میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ کی انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں حضرت انور شاہ کاشمیریؒ نے پانچ سو علماء کی معیت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کو ''امیر شریعت'' منتخب کیا اور اُن کے ہاتھ پر فتنہ قادیانیت کے محاسبہ وتعاقب کے لیے زندگی وقف کرنے کی بیعت کی۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے مجلس احرار اسلام کے تحت ''شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت'' قائم کر کے قافلۂ ختم نبوت تشکیل دیا۔ مرزا کی جنم بھومی قادیان میں مجلس احرار اسلام کا دفتر، مدرسہ، مسجد اور لنگر خانہ قائم کیا۔ قادیانیوں نے تشدد، قتل، خوف وہراس

اور مسلمانوں کو زدوکوب کرنے کے تمام ذلیل ہتھکنڈے آزمائے مگر منہ کی کھائی۔

قادیانیوں نے کشمیر کو اپنی سازشوں کا مرکز بنایا تو مجلس احرار نے ۱۹۳۰ء کی تحریک کشمیر میں پچاس ہزار کارکنوں کی گرفتاری اور چنیوٹ کے الٰہی بخش شہید سمیت کئی کارکنوں کی شہادت پیش کر کے قادیانیوں کی سازش ناکام کی اور ڈوگرہ راج کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔

مجلس احرار اسلام نے میاں قمر الدین رحمہ اللہ (لاہور) کو ''ختم نبوت وقف قادیان'' کا صدر اور مولانا عنایت اللہ چشتیؒ (ساکن چکڑالہ ضلع میانوالی) کو قادیان میں پہلا مبلغ مقرر کیا۔ پھر احرار رہنما، فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیاتؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، مولانا لعل حسین اخترؒ اور قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ قادیان میں مرکز احرار اسلام میں بیٹھ کر قادیانیوں کو للکارتے اور مسلمانوں کے حوصلے بڑھاتے رہے۔

۲۱، ۲۲، ۲۳/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو مجلس احرار اسلام نے قادیان میں تین روزہ عظیم الشان ''ختم نبوت کانفرنس'' منعقد کی، جس میں تمام زعماء احرار اور ہندوستان بھر کے علماء خصوصاً حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہم اللہ نے شرکت کی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے حلقہ کے تمام علماء سمیت تائید وحمایت کر کے مجلس احرار اسلام کے شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کے لیے اپنی طرف سے مالی تعاون بھی فرمایا۔ اس مشن میں مجلس احرار اسلام کو برصغیر کے تمام علماء ومشائخ کی تائید وحمایت اور دعا وتعاون حاصل تھا۔ الحمدللہ! قادیانیوں کی ہوا اکھڑ گئی اور احرار کے قافلۂ تحفظ ختم نبوت کو فتح حاصل ہوئی۔

قیامِ پاکستان کے بعد قادیانیوں نے پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کی سازش کی اور انگریز کا حق نمک ادا کرتے ہوئے اُن کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے سرگرم ہو گئے۔ انگریزوں کے ایماء پر پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان قادیانی کو بنایا گیا۔ جس نے تمام ریاستی وسائل کو قادیانی ارتداد کی تبلیغ اور اقتدار پر شب خون مارنے کی سازشوں کو پروان چڑھانے پر صرف کیا۔ ملک پر عملاً قادیانیوں کی حکومت تھی۔ مرزا بشیر الدین ۱۹۵۲ء میں بلوچستان کو ''احمدی سٹیٹ'' بنانے کی پیش گوئیاں کر رہا تھا۔ ان حالات میں مجلس احرار اسلام نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی قیادت میں تمام مکاتبِ فکر کے جید علماء کو متحد کر کے ''کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت'' تشکیل دی۔

۱۹۵۳ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت برپا ہوئی۔ وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کے ایماء پر سفاک وظالم جنرل اعظم خان نے لاہور میں مارشل لاء لگا دیا۔ بدترین ریاستی تشدد کے ذریعے ہزاروں سرفروشانِ احرار اور فدائیانِ ختم نبوت کو گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کیا گیا، تمام رہنما قید کر لیے گئے۔ بظاہر تحریک کو تشدد کے ذریعے کچل دیا گیا۔ مجلس احرار اسلام کو خلافِ قانون قرار دے کر ملک بھر میں احرار کے تمام دفاتر سربمہر اور ریکارڈ قبضہ میں لے کر تلف کر دیا گیا۔ زعماءِ احرار چین سے بیٹھنے والے کہاں تھے۔ ۱۹۵۴ء میں قید سے رہا ہوئے تو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ حسام الدینؒ

، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد حیاتؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ، جانشین امیر شریعت مولانا سید ابوذر بخاری اور دیگر احرار رہنما سر جوڑ کر بیٹھے۔ مجلس احرار اسلام پر پابندی کے باوجود تحفظ ختم نبوت کے مشن کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ستمبر ۱۹۵۴ء میں احرار کی شیرازہ بندی کر کے اور شعبہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کو بحال کر کے ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے نام سے کام کا آغاز کیا گیا۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۲ء تک مجلس احرار خلافِ قانون رہی۔ لہٰذا مجلس تحفظ ختم نبوت کے نامِ خوش نام سے احرار سرگرمِ عمل رہے۔ ۲۱/اگست ۱۹۶۱ء کو حضرت امیر شریعت کا انتقال ہوگیا۔ ۱۹۶۲ء میں ایوب خان نے سیاسی جماعتوں سے پابندیاں اٹھائیں تو جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر بخاریؒ نے احرار کے احیاء کا اعلان کیا اور ضیغمِ احرار شیخ حسام الدینؒ کی قیادت میں احرار پھر سرگرم ہوگئے۔ احیاء احرار کا مشورہ دینے والوں میں حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ بھی شامل تھے۔ تحریک ختم نبوت کے نتیجے میں جب احرار پر پابندی لگی تو مولانا محمد علی جالندھری مجلس احرار پنجاب کے ناظم اعلیٰ تھے۔ مجلس احرار اسلام سیاسی اور عوامی میدان میں قادیانیوں اور قادیانی نواز قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہوئی تو مجلس تحفظ ختم نبوت تبلیغی محاذ پر قادیانیوں کا محاسبہ اور تعاقب کرنے لگی۔ مجلس احرار اسلام اور مجلس تحفظ ختم نبوت ایک ہی کام کے دو نام ہیں۔ ان میں گل وبلبل کا رشتہ ہے۔ مجلس احرار اسلام پھول ہے تو مجلس تحفظ ختم نبوت بلبل۔ اور یہ بلبل گلستانِ احرار کے ہر گل سے لطف اندوز ہوتی رہی ہے۔

شہداء ختم نبوت کا خونِ بے گناہی رنگ لایا تو ۱۹۷۴ء میں ایک بے مثال تحریک کے نتیجے میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، قائدِ احرار حضرت مولانا سید ابوذر بخاریؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، حافظ عبدالقادر روپڑیؒ، مولانا عبدالحقؒ، نواب زادہ نصر اللہ خانؒ، پروفیسر عبدالغفور احمد، مولانا گلزار احمد مظاہری اور دیگر رہنماؤں کی قیادت میں تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

جون ۱۹۷۵ء میں ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاریؒ قادیانیوں کے مرکز ربوہ میں فاتحانہ انداز کے ساتھ داخل ہوئے اور تبلیغی جلسوں کے ذریعے قادیانیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ ۲۷/فروری ۱۹۷۶ء میں چناب نگر (سابق ربوہ) میں مجلس احرار اسلام نے مسلمانوں کی پہلی جامع مسجد ''مسجد احرار'' قائم کی۔ جس کا سنگِ بنیاد جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے اپنے دستِ حق پرست سے رکھا۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے سابق صدر مجاہدِ ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر خطاب فرمایا۔ حضرت سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ کی امامت میں نمازِ جمعہ ادا کی گئی۔ حضرت سید ابوذر بخاریؒ، حضرت سید عطاء المحسن بخاریؒ اور دیگر کارکنانِ احرار کو گرفتار کر لیا گیا۔ ابناء امیر شریعت حضرت سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ اور حضرت سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ نے

یہاں مدرسہ و مسجد قائم کر کے قادیانی ''قصرِ خلافت'' میں زلزلہ برپا کر دیا۔

۱۹۸۴ء میں کل جماعتی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر حضرت مولانا خواجہ خان محمد دامت برکاتہم، قائدِ احرار ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ اور دیگر تمام دینی و سیاسی رہنماؤں کی قیادت میں تحریک تحفظ ختم نبوت برپا ہوئی تو قانونِ امتناع قادیانیت کے اجراء کی صورت میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

مجلس احرار اسلام کا قافلۂ تحفظ ختم نبوت پوری آب و تاب کے ساتھ رواں دواں ہے۔ اس وقت مختلف دینی جماعتوں پر مشتمل ''متحدہ تحریک ختم نبوت رابطہ کمیٹی'' سرگرم عمل ہے۔ ملک کے مختلف شہروں میں ختم نبوت کانفرنسیں ہو چکی ہیں۔ پاکستان میں تیس مراکز ختم نبوت، محاسبۂ قادیانیت کی جہدِ مبین میں مصروف ہیں۔ برطانیہ میں جناب شیخ عبدالواحد اور جرمنی میں جناب سید منیر احمد ''احرار ختم نبوت مشن'' کی نگرانی کر رہے ہیں۔ چناب نگر (ربوہ) میں قائدِ احرار ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم ہمہ وقت مدرسہ ختم نبوت، مسجد احرار میں موجود ہیں۔ نیز مولانا محمد مغیرہ قادیانیوں سے گفتگو اور مناظرہ کے ساتھ ساتھ مبلغین ختم نبوت بھی تیار کر رہے ہیں اور گرمیوں کی چھٹیوں میں سکولوں اور کالجوں کے طلباء کے لیے پندرہ روزہ ''ختم نبوت کورس'' منعقد کیا جاتا ہے۔ مسجد احرار چناب نگر میں سالانہ ''تحفظ ختم نبوت کانفرنس'' ربیع الاوّل میں منعقد ہوتی ہے۔ اسی طرح چنیوٹ لاہور، چیچہ وطنی، ملتان اور دیگر شہروں میں بھی تحفظ ختم نبوت کے سالانہ اجتماعات ہوتے ہیں۔ دارِ بنی ہاشم ملتان میں حسبِ سابق شعبان کے شروع میں سالانہ دس روزہ ختم نبوت کورس منعقد ہوا۔ ردّ قادیانیت پر ہزاروں روپے کا لٹریچر شائع کر کے مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ مرکزِ احرار چناب نگر میں مسلمانوں کے لیے فری آئی کیمپ کا اہتمام ہوتا ہے۔ جس میں آنکھوں کا آپریشن بھی کیا جاتا ہے۔ جناب عبداللطیف خالد چیمہ (مرکزی ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام) برطانیہ، سعودی عرب اور پاکستان میں باقاعدگی سے دورے کر کے ختم نبوت کے مشن کی آبیاری کر رہے ہیں۔ حال ہی میں (جون ۲۰۰۹ء) انھوں نے برطانیہ کے دورہ میں متعدد اجتماعات سے خطاب کیا۔

مجلس احرار اسلام کی موجودہ قیادت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری، عبداللطیف خالد چیمہ، پروفیسر خالد شبیر احمد، مولانا محمد مغیرہ، قاری محمد یوسف احرار اور میاں محمد اویس اپنے رفقاء کی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ قادیانیت کے محاسبہ و تعاقب میں فعال و سرگرم ہیں۔

عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ، مجلس احرار اسلام کی پہچان، شناخت اور تعارف ہے:

(۱) مجلس احرار اسلام ۲۰۰۹ء میں تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے ملک بھر میں اپنے اجتماعات منعقد کیے۔ عقیدۂ ختم نبوت و تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ کے پیغام کو منظم طریقے سے گھر گھر پہنچایا۔ دینی و ملکی امور میں اپنی رائے کا بھرپور اظہار کیا۔

(۲) مختلف شہروں میں مراکزِ احرار میں قائم دینی مدارس کے نظام و نصابِ تعلیم کو مضبوط و مستحکم بنانے کی سعی جاری ہے۔

(۳) دورِ جدید کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے احرار کارکنوں میں تحریر و تقریر کی صلاحیت پیدا کرنے کے ساتھ

ساتھ دنیا میں ذرائع ابلاغ کے کردار اور اہمیت سے انہیں متعارف کرانے کے لیے تربیتی اجتماعات منعقد کیے جائیں گے۔

مجلس احرار اسلام نے ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مفکرِ احرار چودھری افضل حقؒ اور دیگر اکابر رحمہم اللہ کی قیادت میں ایک فکری و تحریکی سفر کا آغاز کیا تھا۔ اکابرِ احرار نے مسلمانوں کے دینی عقائد و اعمال کے تحفظ کے ساتھ ساتھ قومی و سیاسی تحریکوں اور سماجی خدمت کے میدان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اس سفر میں قید و بند کی تمام صعوبتیں برداشت کیں۔ حتیٰ کہ احرار کارکنوں اور رہنماؤں نے اپنی جانیں بھی اللہ کے راستے میں قربان کیں۔

محدث العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ''امیر شریعت'' منتخب کر کے مجلس احرار اسلام کو تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر سرگرم کیا تھا۔ الحمدللہ احرار آج بھی محاذِ ختم نبوت پر دادِ شجاعت دے رہے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۳۴ء کی ''احرار تبلیغ کانفرنس'' قادیان سے لے کر آج تک ۷۹ سالہ تحریکی سفر میں احرار کارکنوں اور قائدین نے جس استقامت اور جرأت و ایثار کا مظاہرہ کیا، وہ اُن کے لیے توشۂ آخرت ہے۔ خصوصاً تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر ۱۹۳۴ء (قادیان) ۱۹۵۳ء، ۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۴ء (پاکستان) میں برپا ہونے والی تحاریک تحفظ ختم نبوت احرار کی جدوجہد کا حاصل ہیں۔ احرار کارکنوں کی توجہ اور محنت سے ان شاء اللہ مستقبل میں ہم اپنے اہداف ضرور حاصل کریں گے۔

اپیل

اس وقت مدرسہ ختم نبوت چناب نگر، مدنی مسجد چنیوٹ، جامعہ بستانِ عائشہ اور مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم ملتان زیر تعمیر ہیں۔ مجلس احرار اسلام کے شعبۂ تبلیغ تحریک تحفظ ختم نبوت کے تحت قائم مدارس و مراکز، اساتذہ و مبلغین، طلباء کی رہائش، خوراک، علاج اور لٹریچر کی اشاعت وغیرہ پر سالانہ اخراجات تقریباً ایک کروڑ روپے ہیں۔ تعمیرات کا خرچ اس کے علاوہ ہے۔

اہل خیر سے اپیل ہے کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی جماعت، مجلس احرار اسلام اور قافلۂ تحفظ ختم نبوت کے معاون بنیں۔ اپنی زکوٰۃ و صدقات اور عطیات سے احرار ختم نبوت مشن کو مضبوط کریں۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ آپ کریں دعا ہم کریں گے اور اجر اللہ تعالیٰ عطاء فرمائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

رابطہ و ترسیل زر کے لیے

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان　061-4511961,0300-6326621

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری، مدرسہ معمورہ

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017　یو بی ایل کچہری روڈ ملتان

بذریعہ آن لائن: 2-3017-010　بینک کوڈ: 0165

کیا یہ کڑوی گولیاں صرف عوام کے لیے ہیں؟

پروفیسر خالد شبیر احمد

ملک کے موجودہ خراب معاشی حالات میں پاکستان کے عوام بجٹ سے توقعات لگائے بیٹھے تھے کہ شاید سالِ رواں کا بجٹ ان کے لیے کچھ ایسی مراعات کا پیغام لے آئے کہ ان کی معاشی بدحالی میں کچھ بہتری آجائے۔ لیکن بجٹ نے عوام کو مراعات دینے کی بجائے انہیں مزید معاشی بدحالی کا ایسا پیغام دیا ہے کہ لوگ بلبلا اٹھے ہیں اور انہیں سمجھ نہیں آتی کہ ایسے حالات میں وہ کس طرح اس پریشان کُن زندگی کا مقابلہ کرسکیں گے کہ جس زندگی میں انسان کو پانی جیسی بنیادی ضرورت سے محروم کردیا گیا ہو۔

بجلی کی قلت ایک ایسا المیہ بن کے قوم کی نفسیات پر سوار ہوگئی ہے کہ جسے ہم لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ بجٹ میں بجلی کو مزید مہنگا کردیا گیا۔ بجلی آتی نہیں لیکن بجلی کے بل پہلے سے زیادہ آجاتے ہیں۔ جب بجلی نہیں تو پھر بل کس بات کا اور وہ بھی پہلے سے دوگنا اور تین گنا زیادہ۔ اس کے علاوہ پٹرول کی قیمت میں اضافہ جبکہ لوگ آس لگائے بیٹھے تھے کہ پٹرولیم کی مصنوعات کی قیمتوں میں کمی سے شاید انہیں کچھ معاشی آسانی میسر آجائے۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے جب یہ کہہ کر پٹرول کی قیمتوں میں کمی کی کہ یہ صریحاً ناانصافی ہے جو عوام کے ساتھ کی جاری ہے تو فوراً صدارتی آرڈیننس جاری ہوگیا کہ نہیں پٹرول کی وہی پرانی قیمتیں بحال رہیں گی جو پہلے تھیں، جواز یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے حکومت ان اربوں روپوں سے محروم ہوجائے گی جو وہ ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ لوگوں کی معاشی بدتری کو ذرہ بہتر حالت میں تبدیل کرنے کے لیے انہیں مراعات دے تو پھر اربوں اور کھربوں روپے بیرونی دوروں پر خرچ کئے جارہے ہیں اور وہ بھی بقول ڈاکٹر شاہد مسعود قرض کی رقم سے۔ انھوں نے جیو چینل پر اپنے پروگرام میں انتہائی تعجب کے ساتھ حکومت کی شاہ خرچیوں کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح حکومت ملک کی خراب معاشی حالت کے باوجود روپے کو بے دردی کے ساتھ خرچ کررہی ہے۔ صدر ریاست کے ایک دورے پر ستر کروڑ روپیہ خرچ کیا جارہا ہے اور حد تو یہ ہے کہ ان حالات میں حکومت پاکستان نے افغانستان کی حکومت کو دو ارب روپیہ بطور امداد عطا فرمایا ہے جس افغانستان کی حکومت کے بارے میں یہ بات ہر پاکستانی کی زبان پر ہے کہ تخریب کاروں کو روپیہ اور اسلحہ افغانستان کے ذریعے مل رہا ہے۔ خود زرداری صاحب ان فضول خرچیوں کا مرکز ومحور بن چکے ہیں۔ صدر ریاست ایوان صدر میں نہیں رہتے لیکن موجودہ بجٹ میں ایوان صدر کے اخراجات میں لاکھوں روپے کا

اضافہ کر دیا گیا ہے۔ کرکٹ کی ٹیم جیت کے کیا آ گئی ہے کہ اسے کروڑوں روپے بطور انعام دیئے گئے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ کسی بھی معاملہ میں کسی قسم کی مشاورت سرے سے ہوتی ہی نہیں۔ سابق پرویز مشرف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے موجودہ حکومت بھی فرد واحد کو بلا شرکتِ غیر مختار کُل بنا کر قوم کے ساتھ مذاق کرتی نظر آتی ہے۔

وزارتیں لوگوں میں اس طرح بانٹی گئی ہیں جس طرح نکاح میں چھوہارے بانٹے جاتے ہیں۔ ہر وزیر پر کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں اور ہر وزیر صرف ایک ہی بات کر رہا ہے کہ ''عوام کو کڑوی گولی نگلنی پڑے گی''۔ ''معاشی بحران کا تقاضا ہے۔'' ''زمینی حقائق سے ہم مجبور ہیں''۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا یہ کڑوی گولی صرف اور صرف عوام کے لیے ہی ہے وزراء کے لیے نہیں، وزیراعظم کے لیے اور صدر ریاست کے لیے کوئی کڑوی گولی نہیں ہے۔ پانی بند ہے، کڑوی گولی کھانی پڑے گی۔ بجلی نہیں ہے، یہ کڑوی گولی کھانی پڑے گی۔ مہنگائی عروج پر ہے، یہ کڑوی گولی کھانی پڑے گی۔ یہ کڑوی گولیاں آخر کہاں پر تیار ہوتی ہیں اور مشروط کیوں ہیں؟ کہ صرف عوام کے لیے ہی ہیں۔ خواص کے لیے کوئی کڑوی گولی نہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ حنا ربانی صاحبہ نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے کہ کڑوی گولی عوام کو کھانی پڑے گی اور اس وقت جو انھوں نے لباس زیب تن کر رکھا تھا وہ ہزاروں روپے کا تھا، حکومت کیوں نہیں یہ بات بتاتی، کہ مہاجرین کے لیے باہر سے آنے والے روپے کہاں ہیں؟ زلزلہ زدگان کے لیے جو رقم باہر سے آئی اس کا حساب کتاب کہاں ہے؟ جو قرض کی رقم حکومت حاصل کرتی ہے وہ کہاں پر خرچ ہوتی ہے اور کس کی اجازت سے خرچ ہوتی ہے؟

ہمارے مقتدر لیڈر حضرات اپنے بینک بیلنس سے قوم کو کیوں آگاہ نہیں کرتے جو مختلف روپ بدل بدل کہ ہم پر برسوں سے مسلط ہیں۔ کیا وہ پہلے اتنے ہی امیر تھے جتنے کہ اب بن چکے ہیں۔ عوام کی کمائی کس نے کس طرح کھائی ہے اس کا محاسبہ کیوں نہیں ہوتا۔ کیا ملک صرف امراء اور روساء کے لیے بنا تھا کیا عوام اسی طرح سے بے حالی کی زندگی گزارتے چلے جائیں گے۔ یہ سوال عوام کی طرف سے حکومت سے پوچھا جاتا ہے لیکن اس کا جواب بھی کڑوی گولی ہے۔ قتل وغارت ہو رہی ہے' کیوں ہو رہی ہے؟ جواب ہے یہ کڑوی گولی کھانی پڑے گی۔ زنا کے واقعات میں اس قدر اضافہ ہو چکا ہے کہ بقول لقمان مبشر ایک بین الاقوامی تجزیے کے مطابق ہر دو گھنٹے کے بعد پاکستان کے اندر ایک زنا بالجبر کا کیس ہوتا ہے اور ہر آٹھ گھنٹے کے بعد پاکستان کے اندر گینگ ریپ کا کیس ہو جاتا ہے۔ بچے اغوا ہو رہے ہیں۔ کراچی میں معصوم بچی کے ساتھ زنا کیا گیا جس کی عمر صرف ساڑھے تین سال بتائی جا رہی ہے۔ لاش کو گٹر میں ڈال دیا گیا۔ سانگلہ ہل سے شازیہ نامی لڑکی کو اٹھا کر ایک مخصوص تہ خانے میں امیروں کی جنسی بے رہ روی کے لیے پیش کیا گیا۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟ اس کے لیے بھی کوئی کڑوی گولی آپ کے پاس ہے کہ نہیں؟ یا پھر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حدود آرڈیننس جو خدا کا حکم قرآن پاک میں آج بھی موجود ہے اسے ختم کرنے کا یہ وبال ہے۔ یا پھر آزادیٔ نسواں آرڈیننس کا یہ ثمر ہے جو آپ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ آزادی نسواں بل اپنی غرض کے لیے پاس کیا گیا تھا کہ زنا عام ہو، عورت کے تقدس کو پامال کیا جائے اور عیش عشرت میں اس قدر آگے بڑھا جائے کہ لوگ اسے عادتاً اختیار کر لیں۔ تاکہ معاشرے پر دین کی

گرفت مزید ڈھیلی ہو اور عریانی اور فحاشی اپنے عروج پر چلی جائے اور عیاش لوگوں کو روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ رہے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ ایم کیو ایم والے بھی اسی حکومت کا حصہ ہیں جن کا مؤقف یہ ہے کہ وہ عوام اور غرباء کی حکومت کے خواہاں ہیں اور جاگیرداروں اور وڈیروں کے تسلط سے قوم کو نجات دلانا چاہتے ہیں۔ آٹھ سال حکومت کا پہلے بھی حصہ رہے ہیں لیکن سندھ کے ہاریوں کی اجیرن زندگی میں مزید ابتری تو آئی ہے بہتری نہ آسکی۔ اس کے علاوہ ہمارے مولانا فضل الرحمٰن بھی اسی حکومت کا حصہ ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم حکومت کے اندر رہ کر اسے سنگسار کر رہے ہیں۔ ہمیں تو یہ حکومت نہ اندر سے سنگسار ہوتی نظر آتی ہے اور نہ ہی باہر سے۔ ہاں البتہ قوم اور غریب عوام ضرور اندر اور باہر سے سنگسار ہوتے نظر آرہے ہیں۔ مولانا کی طرف سے ایسی کوئی تجویز یا کوئی تردیدی بیان ہمیں نظر نہیں آیا جس میں اس ابتری پر حکومت کی سرد مہری یا پھر عوام کی معاشی بدحالی پر تنقید کی گئی ہو۔ انہیں صرف اس بات پر ناز ہے کہ وہ بڑے منجھے ہوئے سیاست دان ہیں اور اس مروجہ بے دین سیاست میں ان کا کوئی ہمسر نہیں ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے چار اہم قلم کار اپنے پروگرام ''کالم کار'' میں انہیں قابو کرنے کے لیے انتہائی کوشش کرتے رہے لیکن مولانا ان کے قابو میں نہیں آئے ؎

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے ہو غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

موجودہ سیاست کا طرۂ امتیاز صرف اور صرف یہ ہے کہ ہر سیاست دان کی زبان تلوار کی طرح چلتی ہے۔ ہر بات کا جواب گھڑ لیا جاتا ہے۔ میں اس وقت حیران سا ہو جاتا ہوں جب پیپلز پارٹی کے وزراء ٹی وی مذاکروں میں اپنے کمزور مؤقف کا بڑی دلیری بلکہ اگر بے شرمی کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے سے دفاع کرتے ہیں۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اب بے دین سیاست دان اور دین کے نام پر سیاست کرنے والوں کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ حرص و ہوس دونوں کے ہاں بڑی شدت کے ساتھ موجود ہے۔ بے دین سیاست دانوں سے کیا گلہ کہ ان کے کسی قول و فعل میں دین سے موافقت نظر نہیں آتی گلہ تو دین کے نام پر سیاست کرنے والوں سے ہے وہ بھی سبھی کانِ نمک میں کیا گرے کہ نمک ہو کے رہ گئے۔

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

2 اگست 2009ء
اتوار بعد نماز مغرب

دفتر احرار 69/C
وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور

نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی پہلی اتوار کو بعد نمازِ مغرب مجلس ذکر و اصلاحی بیان ہوتا ہے

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام لاہور　فون: 042-5865465

وطن جب خوں مانگے گا تمہارے پاس کیا ہوگا؟

پروفیسر محمد حمزہ نعیم

مرنے کے بعد اگر کوئی حساب کتاب جزا سزا نہ ہوئی تو بھی خوفِ خدا رکھنے والوں کو کوئی نقصان نہیں کہ تقویٰ و طہارت، اچھے اخلاق اور اچھے معاملات سے بہرحال دنیوی فوائد بھی بے پناہ ملتے ہیں۔ عزت و توقیر ملتی ہے اور رزق تو جو مقدر ہے وہ مل کر ہی رہتا ہے..... لیکن اگر مرنے کے بعد حساب و کتاب اور جزا و سزا کا عمل ہوا اور یقیناً ہوگا تو اُن لوگوں کو کیا بنے گا؟ جو دن رات پیسے کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، حرام حلال کمائی میں کوئی امتیاز گوارا نہیں۔ سود اور نفع کے امتیاز کا نبوی بلکہ قرآنی حکم قبول نہیں۔ ہر وقت ڈالر سمیٹنے، بیرون ملک محلات بنانے اور جزیرے خریدنے کے علاوہ اپنے جائز ناجائز اموال سوئٹزرلینڈ اور دیگر یورپی امریکی بینکوں میں جمع کرانے کی فکر میں ہیں۔ گویا:

کیسا نبی، کیسا خدا؟ پیسہ نبی، پیسہ خدا

ایسی سوچ کہ گویا مرنا ہی نہیں اور اگر مرنا بھی ہے تو دوسروں نے، ہم نے نہیں مرنا۔ پھر یہ کہ اگر ہم بھی مر گئے تو کیا ہے۔ سب کو مرنا ہے، مر کر مٹی ہو جائیں گے:

حیاۃٌ　ثُمَّ　موتٌ　ثُمَّ　بَعْثٌ
حَدِیثُ　خُرَافَۃٍ　یا　اُمَّ　عَمِرو

''ارے یہ سب خرافات، بے معنی بکواس ہے کہ زندگی کے بعد موت اور پھر زندگی ہوگی..... ایسا ہرگز نہیں ہوگا.....''

طارق بن زیاد نے کہا تھا:

ہر　ملک　مِلک　ماست
کہ　ملک　خدائے　ماست

جہاں ظلم ہوگا وہاں اسلام اپنا امن لے کر پہنچے گا۔ محمد بن قاسم نے سندھ و ہند کی جیلوں کو توڑ کر باب الاسلام بنایا اور عوام کو راجہ داہر اور اس کے ڈاکوؤں سے نجات دلائی۔ قتیبہ بن مسلم باہلی نے داغستان تک انتہائی شمالی علاقوں تک امن و امان پہنچایا جبکہ موسیٰ بن نصیر نے افریقہ کے کالے براعظم کو اسلام اور ایمان کے انوار سے سفید اور بَرَّاق کیا۔ اندلس کے

مظلوم عیسائیوں نے بھی اُس کو اپنے ہر ظلم وستم کی داستان پہنچا کر امن وسلامتی دلوانے کی درخواست کی۔ ان بنیاد پرستوں میں سے موسیٰ بن نصیر کے ایک بربری غلام طارق بن زیاد کو حکم ہوا۔ وہ کشتیاں چلا کر یورپ کے بظاہر خوش رنگ، عملاً بدرنگ علاقوں میں داخل ہوا۔ پہلے اندلس کو اسلامی امن دیا پھر فرانس کی طرف یعنی یورپ کے قلب میں وارد ہوا۔ یہ الگ بات کہ اہلِ یورپ کی بدنصیبی سے مذکورہ بالا مسلم اموی کمانڈروں کو کسی سازش کے تحت واپس بلا لیا گیا.....آج بھی دنیا کی بڑھتی ہوئی تاریکیوں اور سیاہ بختیوں کو پھر کسی ابن قاسم، ابن قتیبہ، ابن نُصیر، ابن زیاد اور ان کے چیف کمانڈر حجاج بن یوسف ثقفی کی شدید ضرورت ہے۔ غزنوی اور ایوبی بھی پریشان حال مخلص مسلمان عوام (بشمول عرب وعجم) مرکز نگاہ ہیں۔ آج کی خاموش اکثریت میں کیا کوئی چھپا غزنوی، مخفی ایوبی یا زیرزمین ابن قاسم سامنے آئے گا۔ کیا ہمارے چیف کمانڈر ان مایۂ ناز سپوتوں کی کہانیاں نہیں پڑھ سکے؟ کیا وہ جاگیرداروں زرداروں اور ڈالرخوروں کے احکام کو فراستِ مردِ مومن کی کٹھالی میں ڈال کر حقائق نہیں دیکھیں گے؟ کیا نبوی فرمان کہ ایک مسلمان کا خون اور عزت وآبرو حرم کعبہ سے زیادہ محترم ہے، پر عمل کا نہیں سوچیں گے؟ نگاہیں انتظار کرتے کرتے بے آب ہو چکی ہیں۔

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

عابد صدیق مرحوم

تیری بخشش کی نہیں کوئی نظیر　　میر و سلطان سبھی تیرے فقیر
تجھ پہ ایمان ہے عزت کی دلیل　　پیروی میں ہے تری فوزِ کبیر
تجھ سے روشن ہے شبستانِ وجود　　ظلمتِ دہر میں تو بدرِ منیر
تیری تقلید ہے انسان کا شرف　　تیرے خادم ہوئے عالم کے امیر
تو نے آکر اُنھیں آزاد کیا　　ورنہ انساں تھے اناؤں کے اسیر
آدمیّت کے لیے مظہرِ حق　　درگہِ حق میں تو اُمت کا سفیر
تیرے انعام سے محتاج غنی　　تیرے الطاف سے گمنام شہیر
کہکشائیں ترے مَرکب کا غبار　　قابَ قَوسَین ترا تخت و سَریر
مدحتِ شاہِ جہاںؐ حسنِ عمل　　کثرتِ ذکرِ نبیؐ خیرِ کثیر
اَے کہ آفاق زِ تو موسمِ گل　　اَے کہ اَنفاس ترے مشک و عبیر
تیرے ایجاد میں ہے شانِ وُجوب　　تیرا امکان ہے اِطلاق پذیر
راستہ تیرا ہمیشہ کے لیے　　شرک و توحید کے مابین لکیر
تیرے اصحابؓ ستاروں کی طرح　　ہیں ہدایت کے مَدار اور مُدیر
بخششِ خاص کا خوش سیر سَحاب　　رحمتِ عام کا تو ابرِ مُطیر
عشق کی اصل فقط خوف و رَجا　　میرا محبوب نذیر اور بشیر
ہو نہ ناراض جو آقائے شفیعؐ　　بخش دیتا ہے مرا ربِ قدیر

(۱۹۸۴ء)

غــزل

پروفیسر خالد شبیر احمد

دن رات میرے ڈوبے ہیں خوف و ہراس میں
جیتا ہوں روز مرتا ہوں میں آس و یاس میں
ظلمت کی رات کی بھی سحر ہو گی ایک دن
زندہ ہوں اس اُمید پہ میں اس قیاس میں
میرے تخیلات پہ بجلی سی گر گئی
اک آگ سی لگی ہے میرے آس پاس میں
ہر ایک سجدہ جیسے مرا رائیگاں گیا
تاثیر ہے دعا میں نہ ہے التماس میں
یہ آگ کیسی آگ ہے بجھتی نہیں ذرا
رکھا ہے جانے کیا بھلا دولت کی پیاس میں
منزل کی جستجو میں میرے پاؤں شل ہوئے
راہوارِ شوق پھر بھی ہے اپنے حواس میں
ماضی بھی میرے حال پہ حیران ہو گیا
عریاں بدن کو اُس نے دیکھا جو لباس میں
حرص و ہوس ہو جس جگہ اپنے عروج پر
مشکل ہے زندہ رہنا ایسی بود و باس میں
خالدؔ وہ سارے خواب ادھورے ہی رہ گئے
زندہ رہا میں جن کے لیے جن کی آس میں

عظمت کے نقوش

بطل حریت، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں

سید یونس الحسنی مرحوم

تو کہ اقلیمِ خطابت کا شہنشاہ بھی تھا
اک قلندر کی طرح مرد خود آگاہ بھی تھا
ایک درویشِ خدا مست و بہی خواہ بھی تھا
ہمرہِ تیغِ زباں سیّدِ جنگاہ بھی تھا

تو نے مجبور زبانوں کو نوا دی جس دم
انقلابات کے تذکار تھے گردن زدنی
جس نے آزاد فضاؤں کا کبھی نام لیا
اس پہ تیار تھی ہر وقت ہی نیزے کی اَنی

لوحِ تاریخ پہ کندہ تیری عظمت کے نقوش
تو نے یخ بستہ عزائم کو حرارت بخشی
خال و خد ملتِ ترساں کے سنوارے تو نے
حریت کیش رفیقوں کو جسارت بخشی

عرصۂ جہد کو پُر کیف کیا تھا تُو نے
چشمۂ علم کو عرفان دیا تھا تُو نے
تختِ افرنگ کی زنجیرِ غلامی کاٹی
ملت پاک کا ہر چاک سیا تھا تُو نے

(اگست ۱۹۸۸ء)

امیر شریعت.....ایک ہمہ گیر شخصیت

نواب زادہ نصر اللہ خان مرحوم (سابق سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام ہند)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہمہ گیر اور پہلو دار شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بیک وقت عالم دین، شعلہ بیان خطیب اور برعظیم میں جدوجہد آزادی کے صفِ اوّل کے رہنما تھے۔ انھوں نے تحریک آزادی کے ساتھ ساتھ بالعموم پورے ہندوستان اور بالخصوص پنجاب، سندھ اور سابق ریاست بہاول پور کے علاقوں میں مسلمانوں میں فرسودہ رسوم و رواج اور توہم پرستی کے خلاف مسلسل جدوجہد کی۔ ان علاقوں میں اس جاگیردار طبقہ کی بڑی شدت سے مخالفت کی جس نے برطانوی سامراج کے پاؤں مضبوط کیے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد میں برطانوی حکمرانوں کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کرنے اور اس سے ٹکرانے کا جذبہ پیدا کرنے میں امیر شریعت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اسی طرح شاہ جی نے مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت اور نزاکت سے ملتِ اسلامیہ اور خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو روشناس کرایا۔ فتنۂ قادیانیت کے ان مذموم مقاصد کو بے نقاب کیا جن کے حصول کے لیے اس خاص گروہ کو وجود میں لایا گیا تھا۔ شاہ جی نے مسئلہ ختم نبوت کے لیے جو کام کیا، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب ہر مسلمان اس مسئلہ کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہو چکا ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے مسلمانوں نے جدوجہد کی اور جو عظیم قربانیاں دیں ان کو بوجوہ فراموش کیا گیا۔ یا ایک طبقہ نے ان کی اہمیت کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی لیکن مستقبل کا مؤرخ جب بھی تحریک آزادی پر قلم اٹھائے گا تو ان مسلم زعماء اور مسلمان قوم کی قربانیوں کو یقیناً اجاگر کرے گا اور اُن کی بے لوث خدمات کو خراجِ تحسین ادا کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ کیونکہ اس کے بغیر برعظیم کی تحریکات آزادی کا تذکرہ ادھورا اور نامکمل رہے گا۔ شاہ جی اور ان کے رفقاء نے برطانوی سامراج کو ملک سے باہر نکالنے میں جو کردار ادا کیا وہ تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا محمد علی جوہر، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے اکابر برق بن کر برطانوی حکمرانوں کے نشیمنوں پر گرے۔ انھوں نے سامراج اور اس کے کاسہ لیس مسلمان جاگیرداروں اور سرمایہ پرستوں کے خلاف رائے عامہ کو بیدار اور منظّم کیا۔ یہ اسی تحریک کا نتیجہ تھا کہ جلیانوالہ باغ اور قصہ خوانی بازار میں مسلمانوں نے ہندوؤں اور سکھوں سے کہیں زیادہ قربانیاں دیں۔ جامِ شہادت نوش کیا، تحریک آزادی کو بال و پر فراہم کیے اور اسے آگے بڑھایا۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ اسلامیانِ پاک و ہند میں جذبۂ حریت پیدا کرنے میں سب

سے نمایاں کردار علماء نے انجام دیا۔ بیسویں صدی کے شروع میں آزادی کی تحریکات میں مولانا محمود حسن، مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے رفقاء اور ان کے بعد حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا ظفر علی خان اور دوسرے زعماء نے ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ اور ان کے کردار کی تعمیر و تشکیل میں بیش از بیش حصہ لیا۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سب سے بڑے خطیب، مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ میں بے حد مقبول اور ہر دل عزیز مسلمان رہنما تھے۔ لیکن ان میں غرور اور تفاخر کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ ان کی زندگی انتہائی سادہ اور درویشانہ تھی۔ وہ اپنے کارکنوں سے بے حد محبت و شفقت کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے رفقاء کو بلاتمیز امیر و غریب قومی زندگی میں نمایاں کرنے اور آگے لانے کی ہمیشہ سعی کی اور ان کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی۔ یہی وجہ تھی کہ مجلس احرار اسلام نے سینکڑوں مقرر اور ہزاروں بے لوث، بے غرض اور جری کارکن پیدا کیے۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ تقسیم ملک سے قبل نئی قیادت کا اتنا فقدان محسوس نہیں کیا گیا جتنا کہ اب محسوس ہوتا ہے۔ اگر قیامِ پاکستان کے بعد برسر اقتدار جماعتیں اپنے مخالفین کو سبّ و شتم کا نشانہ نہ بناتیں اور سیاست کے میدان میں قدم رکھنے والوں سے بدتر سلوک نہ کرتیں تو آج صورتحال بہت مختلف ہوتی۔ اور نئی قیادت کے ابھرنے کے دروازے یوں بند نہ ہوتے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری برسر اقتدار طبقہ کے رعب و دبدبہ اور سرمایہ دارانہ اثر سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ انھوں نے مدت العمر کسی انگریز حکمران سے ملنے یا اس کا قرب حاصل کرنے کی ذرہ بھر کوشش نہ کی۔ ان سے ملنے والے ان کے ایثار، استغنا اور بے لوثی کی شہادت دے سکتے ہیں۔

خلافتِ عثمانیہ جو اس وقت ایک حد تک اسلامیانِ عالم کا مرکزِ عقیدت تھی، کے خلاف انگریز نے سازشیں شروع کیں۔ اس کے نتیجہ میں جنگ، بلقان، جنگ طرابلس اور پہلی جنگِ عظیم میں کرنل لارنس نے عرب شیوخ کو ترکوں کے خلاف اپنے استعماری مفاد کے لیے استعمال کیا۔ اور ہندوستان میں بھی اس نے ساڑھے نو سو سالہ مسلمان سلطنت کے باقی ماندہ آثار کو جس طرح ختم کیا۔ شاہ جی اس سے بے حد آزردہ دل تھے۔ انگریز کے ان اسلام دشمن اقدامات نے شاہ جی کے دل میں زبردست آگ لگا دی تھی۔ ان کی انگریز سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ وہ ان کا وجود تو ایک طرف رہا، نام تک برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب ریاستوں کے مسلمان حکمران اور بالخصوص پنجاب میں مسلمان وزراء اور رؤساء انگریزوں کا فرزند دل بند کہلوانا اپنے لیے فخر و سعادت کا باعث سمجھتے تھے۔ ایسے ماحول میں مسلم عوام کو انگریزوں اور اُن کے کاسہ لیس رؤساء کے اثرات سے آزاد کر کے انھیں حریت کے راستے پر گامزن کرنے میں شاہ جی کا بہت بڑا حصہ ہے۔

شاہ جی نے انگریز کے خلاف اس وقت علمِ بغاوت بلند کیا جب پنجاب میں جاگیردار اور انگریز کے ٹوڈی حاکم تھے۔ سر سکندر حیات پنجاب کا وزیر اعظم تھا۔ پنجاب میں اس کی مرضی کے بغیر کوئی بھی حرکت نہیں کر سکتا تھا مگر شاہ جی کی مؤمنانہ للکار نے سکندر حیات کے اقتدار کو ہلا کر رکھ دیا۔

انھوں نے پنجاب کے غریب عوام کے ذہنوں میں انگریز سامراج کے خلاف بغاوت کوٹ کوٹ کر بھر دی۔

مجھے اپنے ماضی پر فخر ہے۔ میں سر بلند کر کے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اِن با کردار، جرأت مند اور مخلص اکابر کی معیت میں جہادِ آزادی میں حصہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

شاہ جی کی جماعت مجلس احرار اسلام ہندوستان کے غریب اور متوسط طبقہ کے کارکنوں پر مشتمل تھی۔ اس کی روز افزوں ترقی سے انگریز اور اُس کے ٹوڈی خائف تھے۔ عوام میں احرار کی جڑیں بہت مضبوط ہوگئی تھیں۔ چنانچہ ایک سازش کے تحت ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج کا مسئلہ کھڑا کیا گیا اور اس تحریک کا تمام ملبہ مجلس احرار پر گرا دیا گیا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر احرار پر شہید گنج کا ملبہ نہ گرایا جاتا تو پنجاب کی سب سے زیادہ مقبول ترین عوامی سیاسی جماعت مجلس احرار اسلام انتخابات میں بھاری اکثریت کے ساتھ کامیاب ہوتی۔ مگر سر فضل حسین اور دوسرے ٹوڈیوں نے سازش کر کے احرار کو شکست دلوادی۔ ورنہ احرار کی کامیابی کی صورت میں پنجاب میں پہلی مرتبہ متوسط اور غریب طبقہ کی حکومت قائم ہو جاتی اور یہاں جاگیرداروں سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جاتی..... مگر اس سب کچھ کے باوجود شاہ جی نے انگریز اور اُس کے ٹوڈیوں کے خلاف جہاد جاری رکھا۔

اس سلسلہ میں شاہ جی کو بار بار جیل جانا پڑا۔ سالہا سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ مگر ان کے پائے استقلال میں لحظہ بھر کے لیے بھی لغزش نہ آنے پائی۔ بلکہ جب بھی وہ جیل سے رہا ہوتے تو زیادہ شدت سے انگریز کی مخالفت کرنے لگتے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ شاہ جی نے پہلی مرتبہ قومی سیاست میں متوسط اور نچلے طبقے کو مسلمانوں کی قیادت سے بہرہ ور کیا۔ اس قیادت نے ایثار اور بے لوثی کی جو مثالیں قائم کیں وہ آج بھی ہماری مختلف تنظیموں کے لیے مشعل راہ کا کام دے سکتی ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب شاہ جی نے پاکستان میں سکونت پذیر ہونے کا فیصلہ کیا تو وہ اپنے بچوں سمیت انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں یہاں پہنچے۔ چند ماہ دفتر احرار لاہور میں قیام فرمایا۔ پھر میری درخواست پر خان گڑھ تشریف لے آئے۔ تقریباً ایک سال یہاں قیام فرمایا۔ یہ اُن کی حسنِ عطاء اور میرے لیے بہت بڑی سعادت تھی:

آپ آ گئے تو رونقِ کاشانہ ہوگئی

خان گڑھ میں سیلاب آ گیا تو وہ دوستوں کے اصرار پر ملتان تشریف لے گئے اور کرائے کے مکان میں زندگی گزار دی۔ انھوں نے اپنی جائیداد کے عوض نہ کسی جائیداد کی خواہش کی اور نہ ہی ان کے فقر و استغنا نے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا کیا۔ وہ غیرت و حمیت کا پیکر تھے۔ انھیں امرتسر میں واقع اپنے مکان کے ضائع ہونے کا کوئی غم نہ تھا۔ البتہ اس بات کا انھیں ہمیشہ صدمہ رہا کہ امرتسر میں فسادات کے دوران ان کی لائبریری ضائع ہوگئی۔ وہ اکثر اپنی کتب کو یاد کیا کرتے کیونکہ اہل علم کا حقیقی سرمایہ کتب ہی ہوا کرتی ہیں۔

شاہ جی، ایک عہد، ایک تاریخ بلکہ عہد ساز اور تاریخ ساز شخصیت تھے۔ جدوجہد آزادی میں انھوں نے قوم کی صحیح رہنمائی کی۔ تاریخ اُن کے خلوص و ایثار کو کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ شاہ جی، ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا سحر خطابت

حضرت مولانا مظاہر حسین (مدرسہ شاہی، مراد آباد، یوپی (انڈیا)

یہ سبھی جانتے ہیں کہ تکوینی نظام کے تحت اللہ تعالیٰ حسبِ ضرورت انسان پیدا کرتے رہتے ہیں۔ وقتی ضرورت کا جیسا تقاضا ہوا ویسے ہی انسان اللہ نے پیدا فرما دیئے۔ ذخیرۂ احادیث کی حفاظت کی ضرورت ہوئی تو محدثین کی جماعت پیدا فرما دی۔ نقدِ حدیث کی ضرورت زمانہ نے محسوس کی تو ناقدین حدیث من جانب اللہ پیدا ہوئے۔ اسی اصول کے تحت غیر منقسم ہندوستان میں جب سے گیدڑ سے زیادہ ڈرپوک اور لومڑی سے زیادہ مکار قوم انگریز کا مکمل تسلط ہوا تو اس شاطر قوم کے سامنے ڈٹ جانے اور دشمن کو اپنے واقعی مستقر تک پہنچانے کے لیے اللہ نے صاحبِ دعوت وعزیمت انسان پیدا فرمائے۔ اُنہی میں سے ایک شیر دل اور بہادر انسان کا نام مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہے۔ جن کے بغیر آزادئ ہند کی تاریخ نامکمل ہے اور جو مستقل طور پر تاریخ کے لالہ وگل ہیں۔ یوں تو شاہ صاحب پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور بہت کچھ ان شاء اللہ لکھا جاتا رہے گا۔ البتہ شاہ صاحب مرحوم کی ہمہ جہت شخصیت سے متعلق چند واقعات کا تذکرہ کر کے اُن کے تذکرہ نگاروں میں اپنا نام درج کروانا اپنی گراں مایہ سعادت سمجھتا ہوں۔

تقریباً تئیس سال پرانی بات ہے کہ بنگلور میں حضرت مولانا مسعودؒ کے زیرنگرانی چلنے والے مدرسہ سبیل الرشاد میں ایک عظیم الشان اجلاس تھا۔ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ بھی مدعوین خصوصی میں سے تھے اور احقر سامع کی حیثیت سے شریک جلسہ تھا۔ جب مولانا علی میاںؒ اسٹیج پر تشریف لائے۔ حضرت نے تلاوتِ قرآن کے بعد فرمایا کہ اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ میری تقریر ہوگی اور میری تقریر سننے کا شوق دل میں رکھتا ہو تو وہ اس جلسہ سے اٹھ کر چلا جائے۔ اس کا شوق پورا نہیں ہوگا کیونکہ خطابت تو عطاء اللہ شاہ بخاری پر ختم ہو چکی ہے۔

اسی طرح بابری مسجد کی شہادت سے قبل مسلم لیڈران میں سے ایک شعلہ بار مسلم لیڈر کی ایک مجلس میں جس میں احقر بھی شریک تھا، تو صفی کلمات بڑے جذباتی انداز میں بیان کیے جا رہے تھے تو اسی دوران مجلس میں ایک صاحبِ علم و صاحبِ دل فرمانے لگے کہ فن خطابت کے فردِ یکتا کی کیا تعریف کرتے ہو؟ اگر تم عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر سن لیتے تو کسی کو مقرر نہ کہتے۔ میری ان آنکھوں نے دیکھا اور ان کانوں نے سنا ہے۔

رام پور کے قلعہ میں ایک جلسہ تھا۔ جس میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور پنڈت جواہر لال نہرو بطور مہمانِ خصوصی شریک تھے۔ اس جلسہ میں قاری صاحب کی تلاوت کے بعد امام الہند نے سورۃ اخلاص پر اڑھائی گھنٹے تقریر کی، پھر بعد ازاں شاہ صاحب کا خطاب شروع ہوا تو پانچ گھنٹے بلا تکان مسلسل خطاب فرمایا اور اسی دوران اذانِ فجر کے کلمات کانوں پر پڑے، تب شاہ صاحبؒ نے تقریر ختم فرمائی اور مجمع کا حال یہ تھا کہ تا حد نگاہ آدمی ہی آدمی تھے۔ قلعہ کی دیواروں پر بھی انسانوں کا ہجوم تھا اور جو جلسہ میں چپ بیٹھا تھا ویسا ہی بیٹھا رہ گیا۔ ان ہر دو تأثرات کے سننے کا شرف مذکورہ دونوں بزرگوں سے احقر کو بلا واسطہ حاصل ہے۔

البتہ ایک واقعہ ضلع رام پور کی مسلم اکثریت پر مشتمل ایک بستی ٹانڈہ بادی جہاں سے متعلق کئی واسطوں سے یہ بات سنی گئی کہ حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری ٹانڈہ بادی تشریف لائے۔ حسبِ منصوبہ تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد سامعین نے شاہ صاحب سے کہا کہ حضرت کافی دنوں سے بارش نہیں ہوئی ہے۔ آپ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ رحمت کی بارش فرمادیں۔ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا کہ اے اللہ! عطاء اللہ تو برس چکا ہے اب آپ کی باری ہے۔ راویوں کا بیان ہے کہ کچھ ہی دیر میں بجلی چمکنے لگی۔ بادل گرجنے لگے اور اس زور کی بارش شروع ہوئی کہ لوگوں کا گھر پکڑنا مشکل ہو گیا۔ ان چند واقعات سے شاہ صاحب کے فنِ خطابت کے شہ سوار ہونے کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب کی للّٰہیت کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

قارئین متوجہ ہوں

قارئین کی طرف سے اکثر یہ شکایت موصول ہوتی ہے کہ ہمیں سالانہ چندہ ختم ہونے کی کوئی اطلاع نہیں ملی اور رسالہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس شکایت کے ازالے اور قارئین کی سہولت کے لیے لفافے پر پتا کے اوپر مدت خریداری درج کر دی گئی ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ درج شدہ مدت کے مطابق اپنا سالانہ چندہ ارسال کر کے اگلے سال کی تجدید کرالیں۔ اکثر قارئین کا زرتعاون سالانہ دسمبر ۲۰۰۸ء میں ختم ہو چکا تھا۔ کئی قارئین نے سالانہ چندہ ارسال کر کے نئے سال کی تجدید کرالی ہے۔ جن کا چندہ وصول نہیں ہوا، اس کے باوجود اگست ۲۰۰۹ء کا شمارہ انھیں بھی ارسال کیا جا رہا ہے۔ براہِ کرم اگست میں ہی اپنا سالانہ زرِتعاون ۲۰۰ روپے ارسال فرما کر نئے سال کے لیے تجدید کرالیں۔ بصورت دیگر آئندہ شمارے کے لیے معذرت! (سرکولیشن منیجر)

''نقیب ختم نبوت'' کی ترسیل، شکایات اور دیگر معلومات کے لیے رابطہ نمبر: 0300-7345095

حضرت امیر شریعتؒ کے ساتھ چند روز

مولانا محمد اکرم طوفانی

۱۹۵۸ء کا سال تھا۔ بندہ بھیرہ میں مدرسہ خضریہ کا طالب علم تھا۔ مدرسہ خضریہ، بھیرہ، حاجی عبداللہ صاحب پراچہ کے زیر انتظام تھا۔ میری عمر قریباً ۲۳ سال تھی۔ مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا۔ سالانہ جلسے میں اکثر مولانا نورالحسن شاہ بخاریؒ تشریف لایا کرتے تھے۔ ہمارے استاد حضرت مولانا منظور شاہ صاحبؒ تھے جو مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کے شاگردِ خاص تھے۔ مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ بھی جلسہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک استاد ہمارے مولانا عبدالرشید، خطیب مسجد مہاجرین بھیرہ تھے جو ماشاءاللہ اب بھی بقیدِ حیات ہیں۔

میری ڈیوٹی علماء کی خدمت کی تھی۔ اللہ کا کروڑ کروڑ شکر ہے کہ اس نے بچپن ہی سے اکابر کی صحبت نصیب فرمائی۔ چنانچہ خدمت کے دوران میری حضرت نورالحسن شاہ صاحبؒ سے تعلیمی بات چیت شروع ہوئی۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو۔ میں نے اپنے جاری اسباق کا تذکرہ کیا۔ شعبان کا مہینہ تھا۔ حضرت مولانا نورالحسن شاہ بخاریؒ نے باتوں باتوں میں ارشاد فرمایا: ''ابھی تھوڑے دنوں کے بعد رمضان شریف میں ہمارے یہاں دارالمبلغین ملتان میں مذاہب متفرقہ پر معلوماتی کورس شروع ہونے والا ہے اس دفعہ آپ حضرات اس کورس میں تشریف لے آئیں''۔ چنانچہ میں اور میرے ساتھ اسباق میں شریک ایک ساتھی سید صابر حسین شاہ صاحب مرحوم ہم دونوں وقت مقررہ پر ملتان پہنچ گئے اور دارالمبلغین میں جو اس وقت بوہڑ گیٹ (ملتان) میں واقع تھا، داخلہ لے لیا۔ ہمیں پڑھانے والے اساتذہ میں مولانا سید نورالحسن شاہ صاحب بخاریؒ، مولانا عبدالستار تونسوی مدظلہ، مولانا دوست محمد قریشیؒ، علامہ خالد محمود مدظلہ اور مولانا عبدالحئی جام پوریؒ تھے۔ اس وقت کورس میں ہم قریباً ۱۹ ساتھی تھے۔ وہاں پاس ہی انگریز دور کی ایک بہت بڑی بلڈنگ تھی جس میں حکیم فیروز دینؒ حکمت کا کاروبار کرتے تھے۔ موصوف، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے متوسلین میں سے تھے۔ ان کے پاس بھی حاضری ہوتی تھی۔

۱۹۵۶ء میں غالباً ایک مضمون رسالہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں بعنوان حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کو حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر کتابچے کی شکل میں شائع کر دیا اور یہاں سے پھر مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہو گیا اور اختلافی شکل معرضِ وجود

میں آ گئی۔(☆)۔ان دنوں ہمارے ساتھ مولانا عبدالقادر آزاد صاحبؒ بھی تھے۔میرے ساتھی صابر شاہ صاحب، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، وہ سید عنایت اللہ شاہ بخاری مرحوم کے مرید تھے۔ہم سے حیات النبی کے مسئلہ پر اکثر اوقات گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ایک روز اچانک بات بڑھ گئی اور صابر شاہ صاحب کے ساتھ مولانا عبدالقادر آزاد مرحوم الجھ گئے۔آخر طے یہ ہوا کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خدمت میں جا کر فیصلہ کروالیتے ہیں۔چنانچہ ہم تینوں ساتھی (مولانا عبدالقادر آزادؒ، صابر شاہ صاحبؒ اور راقم) حضرت شاہ جیؒ کی خدمت میں اپنا متنازعہ مسئلہ لے کر حاضر ہوئے۔ مولانا عبدالقادر آزادؒ نے حضرت شاہ جیؒ کی خدمت میں یہ سارا واقعہ رکھا اور اپنے اختلاف کو واضح کیا۔حضرت شاہ جیؒ نے واقعہ سن کر ایک سرد آہ بھری اور فرمایا کہ: ''اکابر کو چھوڑ کر اپنی مرضی کے مطابق دین کو ڈھالنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔صراطِ مستقیم پر موت کی خواہش ہے تو تادم مرگ اکابر کے دامن سے وابستہ رہو، ہاتھ کٹ جائیں لیکن اکابر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔'' ایک لمبی سانس بھر کر پھر فرمایا بھائی (''بھائی'' کے لفظ کو کھینچتے ہوئے) ہمارے تمام اکابر حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ صرف قائل تھے بلکہ اس عقیدہ کو حرزِ جان اور جزءِ ایمان سمجھتے تھے۔

اس موقع پر مولانا عبدالقادر آزاد صاحبؒ نے کئی سخت جملے بھی ادا کیے اور مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کا نام لے کر فرمایا کہ شاہ جی ان لوگوں نے فتنہ اٹھایا ہوا ہے۔یہ بہت ہی فتنہ پرداز لوگ ہیں۔شاہ جیؒ نے بڑے ہی دردمندانہ لہجے میں فرمایا: ''برخوردار! ان سے اکابر کا دامن چھوٹ گیا۔میں ان کو فتنہ تو نہیں کہتا کیونکہ فتنہ وہ ہوتا ہے جن کا مذہب اور دین نیا ہو۔ان کا مذہب نیا نہیں ہے۔البتہ آپ حضرات نے مرتے دم تک اکابر کے ساتھ وابستہ رہنا ہے۔''

میرے ساتھی صابر شاہ صاحب، اللہ ان کو بخشے، وہ تو واپس بھیرہ چلے گئے تھے جب کہ میں کورس مکمل کر کے سند لے کر واپس ہوا۔یہ رمضان شریف کا مقدس مہینہ تھا۔ہمارے اسباق صبح سے ۱۲ر بجے تک ہوا کرتے تھے۔سخت گرمی کا موسم تھا۔اسباق ۱۲ر بجے ختم ہوتے تو میں سیدھا ٹبی شیر خان، حضرت شاہ جیؒ کے پاس ان کے کرایہ کے مکان پر پہنچ جاتا اور عصر تک حضرت شاہ جیؒ کے پاس رہتا اور مٹھی چاپی کرتا۔شاہ جیؒ چارپائی پر ایک چٹائی بچھائے تشریف فرما ہوتے اور عصر کی نماز باجماعت پڑھتے۔امامت حضرت مولانا سید ابوذر بخاریؒ کراتے۔میں اور شاہ جیؒ مقتدی ہوتے۔رمضان کے باقی ۲۲ دن، میں حضرت شاہ جیؒ کی خدمت میں اسی معمول سے یومیہ حاضر ہوتا رہا۔شاہ جیؒ عصر کی نماز پڑھ کر مدرسہ قاسم العلوم سے کچھ آگے ایک حکیم صاحب (حکیم عطاء اللہ خان صاحبؒ) کے ہاں تشریف لے جاتے اور میں دفتر آ جاتا اور روزہ دار المبغلین میں افطار کرتا۔

ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔حضرت شاہ جیؒ اور بندہ نمازِ عصر پڑھ کر نکلے۔شاہ جیؒ آگے آگے اور بندہ پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔مدرسہ قاسم العلوم کے ساتھ ایک چھوٹی سی بیکری تھی، جس پر ایک کمزور، لاغر سا دکاندار بیٹھا ہوا تھا، وہاں پہنچ کر شاہ جی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ بھائی میں نے پھیکے بسکٹ منگوائے تھے اور تو نے میٹھے بھیج

دیئے۔ غالباً حضرت شاہ جیؒ کو شوگر کی بیماری تھی، جس کی وجہ سے وہ میٹھے سے پرہیز فرمایا کرتے تھے۔ شاہ جیؒ اصرار کرتے رہے کہ تو نے میٹھے بھیج دیئے اور وہ انکار کرتا رہا کہ نہیں شاہ جی نہیں، میں نے پھیکے بھیجے ہیں مجھے بڑا غصہ آ رہا تھا کہ دیکھو کس قدر ظالم شخص ہے، اپنی بات پر اصرار کرتا چلا جا رہا ہے۔ آخر کار شاہ جی نے ایک لمبی سانس لی اور اپنے دست مبارک سے زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا: (استغفر اللہ!) ''جب تک تیرے اندر طاقت تھی تو تیری غلط کہی ہوئی بات بھی ٹھیک ہو جاتی تھی۔ کسی کو کیا مجال کہ انکار کرے۔ آج تو کمزور ہو گئی ہے تو تیرا سچ بھی لوگوں کو جھوٹ نظر آ رہا ہے''۔ بس یہ جملہ کہہ کر حضرت آگے بڑھ گئے اور حکیم عطاء اللہ صاحب کے مطب پر تشریف لے گئے اور بندہ دفتر آ گیا۔

ایک دن نوابزادہ نصر اللہ خان مرحوم شاہ جی کی خدمت میں وارد ہوئے۔ باتوں باتوں میں نوابزادہ صاحب نے حضرت شاہ جی سے عرض کیا: ''شاہ جی! آپ بوڑھے ہو گئے۔ عمر کا بڑا حصہ بتا چکے۔ لیکن اپنے لیے آپ نے ساری زندگی کچھ نہیں بنایا۔ اب بھی کرائے کے مکان میں ڈیرہ لگا رکھا ہے۔ جاتے جاتے اولاد کے لیے تو مکان وغیرہ کا کر جایئے تاکہ یہ تو کرائے کے مکانوں سے بچ جائیں''۔ شاہ جی نے سر اوپر اٹھایا اور نوابزادہ مرحوم کی طرف غصے کے ساتھ پیار بھری نگاہوں سے دیکھ کر فرمایا: ''نوابزادہ صاحب! میں تو آپ کو نہایت سمجھ دار اور دانا سمجھتا تھا لیکن آپ نے کیسی بات کر دی کہ میں بوڑھا ہو گیا اور اولاد کے لیے کچھ نہیں کیا، کچھ کر جاؤں، بھائی! میں بوڑھا ہو گیا، میرا رب تو بوڑھا نہیں ہوا۔ اس کی ذات پر کامل بھروسہ ہے۔ وہی ان کا انتظام کرے گا۔ واقعۃً آج دارِ بنی ہاشم حضرت شاہ صاحب کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے جملوں کی بدیہی تصدیق ہے۔

ایک دن اخبار میں خبر آئی کہ جہلم میں زبردست اولے پڑے ہیں اور فصلیں تباہ ہو گئی ہیں۔ تو فرمایا میں نے رب کے سامنے عرض کیا۔ ''**اتهلكنا بما فعل السفهاء منا ان هي الافتنك**'' (الاعراف، ۱۵۵) (ترجمہ: کیا آپ ہمیں ہمارے بعض سفہاء کے اعمال کی پاداش میں ہلاک کر دیں گے؟) غرض یہ کہ میری زندگی کے یہ بائیس دن جو مجھ بے بس، گنہگار، فقیر کو حضرت شاہ جی کی خدمت میں ظہر سے عصر تک اللہ تعالیٰ نے گزارنے کا موقع عنایت فرمایا۔ یہی بائیس دن میری زندگی میں انقلاب کا باعث بنے اور واپس لوٹتے وقت میں حضرت شاہ جی کی بیعت سے مشرف ہوا۔ چونکہ مشہور یہ تھا کہ دارالمبلغین میں بھی وہی طالب علم داخلہ لیتے ہیں جو فارغ التحصیل ہوتے تھے۔

جب ۲۹ رمضان المبارک کو سند لے کر واپس گھر آنے لگا تو حضرت شاہ جی سے بیعت کی درخواست کی اور شاہ جی نے شفقت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے میری قسمت کو سنوارنا تھا۔ شاہ جی نے بیعت فرما لیا اور پوچھا کیا کر رہے ہو۔ کہاں خطیب ہو یا کس مدرسہ میں پڑھاتے ہو۔ تو میں نے کہا شاہ جی! میں تو ابھی پڑھ رہا ہوں۔ لہٰذا مجھے کوئی وظیفہ بتلا دیں۔ تو شاہ جی نے فرمایا ''میں طالب علم کو بیعت نہیں کرتا کہ تعلیمی حرج نہ ہو اور وظائف میں نہ لگا رہے۔ تم پہلے طالب علم ہو جس کو میں نے بیعت میں لے لیا۔ اب وظیفہ کیا بتلاؤں۔ سورۃ یٰسین کی تلاوت روزانہ کر لیا کرو اور نماز با جماعت کی پابندی کرنا۔

اللہ تعالیٰ علم دے تو حق کہنا۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں علم باعمل نصیب فرمائے۔ اور آخری بات! اکابر کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ ہاتھ کٹ جائیں لیکن اکابر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے''۔ وہ دن اور آج کا دن میری عمر ۷۵ سال ہوگئی ہے۔ شاہ جی کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے جملے آج بھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کانوں میں گونج رہے ہیں۔ شاہ جی مجھے فرمارہے ہیں اور میں سن رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہے کہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی اکابر کے دیے ہوئے لائحہ عمل سے کبھی سرمو سر کنے کی کوشش نہیں کی۔ شاہ جی نے فرمایا تھا کہ حق کہنا۔ یہ شاہ جی کے فرمان کی تاثیر ہے کہ حق زبان پر خود بخود جاری رہتا ہے اور آج پچاس سال گزر گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے نماز بغیر جماعت کے پڑھنے کی طرف بھی کبھی مائل نہیں ہونے دیا۔ اور سورۃ یٰسین تو الحمدللہ ہر حال میں' سفر میں' حضر میں پڑھتا ہوں۔ شاہ جیؒ کی اسی نسبت کا فیض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تحفظ عقیدہ ختم نبوت کی خدمت نصیب فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مرشد کی دعا سے آج تک کبھی اس عقیدہ کے تحفظ میں نہ تو سستی کا مظاہرہ کیا اور نہ ہی اس کو کمائی کا ذریعہ سمجھا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے شاہ جی ایسے حضرات سے نسبت قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

وما توفیقی الاباللہ علیہ توکلت والیہ انیب.

توضیحات

(الف) یہ ۱۹۵۶ء نہیں ۱۹۵۴ء تھا۔ ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند کی دسمبر ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ کا ایک مضمون بعنوان ''مسئلۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم دیوبندی مکتبِ خیال کی روشنی میں'' شائع ہوا۔ اسی مضمون کو حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر انھی ایام میں حضرت مولانا سیّد ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مکتبہ نادیۃ الادب الاسلامی کی طرف سے کتابچے کی شکل میں شائع فرمایا۔ اوپھر اصحابِ علم وذوق کی طلب کے پیشِ نظر بار بار شائع فرمایا۔ اپریل ۱۹۵۹ء تک اس کے پانچ ایڈیشن نکلے۔ صاحبِ مضمون اسی دوران میں ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند ہی میں (شمارہ بابت ماہ جون ۱۹۵۴ء) بارِدگر قلم اُٹھایا اور اس موضوع سے متعلق بعض استفسارات و اشکالات کے جوابات تحریر فرمائے۔ حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''طبع پنجم'' میں ان دونوں مقالات کو یکجا شائع کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا لیکن اس اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔

(ب) یہ کہنا کہ حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ کے مقالے کی اشاعت سے ''مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہوگیا اور اختلافی شکل معرضِ وجود میں آگئی'' محلِ نظر ہے' بلکہ واقعاتی ترتیب کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ''چرچے'' اور ''اختلافی شکل'' کے آثار نمایاں کیے جانے لگے تو اکابر کو ایسے مقالات کی تالیف اور اشاعت کی فکر ہوئی۔ یعنی جب بعض حضرات خالصتاً علمی اور درسی نوعیّت کے ان تحقیقی مباحث کے حوالے سے عوامی اجتماعات اور تبلیغی خطبات میں اختلافی گفتگوؤں کا آغاز فرما چکے تھے۔ چنانچہ اختلافی فکر کے حاملین نے ۱۹۵۷ء میں اپنی علیحدہ جماعت

(اشاعت التوحید) قائم کی اور ۱۹۵۸ء میں اس ''اختلافی شکل'' نے دیکھتے ہی دیکھتے باقاعدہ محاذ آرائی کی صورت پیدا کر دی۔ تا آنکہ ۱۹۶۲ء میں حضرت قاری محمد طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لائے۔ آپ نے فریقین کے بڑوں کو اکٹھا کیا اور ایک متفقہ اور غیر اختلافی مؤقف پر مبنی عبارت پیش فرمائی۔ عبارت کے مجوز حضرت قاری صاحب خود تھے۔ اس موقع پر آپ نے اُن بڑوں کے سامنے فرمایا: ''عامۃ المسلمین کو فتنہ ونزاع وجدال سے بچانے کے لیے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرمائیں۔ یہ مسئلہ قدر مشترک ہوگا۔ ضرورت پڑنے پر اسے ہی عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ تفصیلات پر زور نہ دیا جائے۔ عبارت مجوزہ ذیل ہے

> ''وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلقِ روح حیات حاصل ہے، اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''

اس عبارت کے نیچے حضرت قاری صاحبؒ کے علاوہ ''اشاعت التوحید'' کے بانی امیر حضرت مولانا قاضی نور محمد، بانی ناظم اعلیٰؒ حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ نے دستخط فرمائے۔ چوتھے دستخط حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ یہ ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کا واقعہ ہے۔

(ج) حضرت امیرِ شریعتؒ، آپ کے رفقائے گرامی اور آپ کی جماعت کے منشور ومسلک اور موقف ومزاج کے بارے میں بات کرتے ہوئے بعض غیر ذمّہ دار حضرات ضرورت سے زیادہ ''باہمت'' واقع ہوئے ہیں اور وہ اس سلسلے میں ایک عرصے سے نہایت عجیب وغریب مغالطات اور مکذوبات کی اشاعت کے لیے سرگرداں چلے آرہے ہیں۔ مولانا محمد اکرم طوفانی کے اس مضمون اور ہماری مندرجہ بالا توضیحات کے بعد ایسی تمام بے اصل حکایات وروایات کی اشاعت اصولاً بند ہو جانی چاہیے کہ جن میں حضرت امیرِ شریعتؒ کو اپنے بعض معاصر علماء کے اختلافی مواقف کا مؤید ومتفق دکھایا گیا ہے۔ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجراتی رحمہ اللہ کے بعض تذکرہ نویسوں کے ہاں خصوصاً اس سلسلہ میں افسوسناک بے احتیاطیاں پائی گئی ہیں۔ یہ داستانِ وصل وفصل پڑھنے سے جن حضرات کو دلچسپی ہو وہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان، کی فائلوں میں ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ مضامین ''چہ دلاوراست دزدے.....'' (فروری ۱۹۸۹ء) اور ''خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے'' (مارچ/اپریل ۱۹۸۹ء) ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ (ادارہ)

☆☆☆

حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ سے ایک یادگار ملاقات

مولانا عبدالکریم مدظلہ (مدرسہ نجم المدارس کلاچی)

ملتان میں وفاق المدارس کا کوئی اجلاس تھا۔ سیدی حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ (سابق مدرس دارالعلوم دیوبند اور کامیاب جانشین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری دارالعلوم ڈابھیل) حضرت مولانا محمد یوسف بنوری بانی مدرسہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سرگودہوی بانی مدرسہ سراج العلوم سرگودھا جیسے اکابر نے چاہا کہ اجلاس سے فارغ ہوکر وہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ملاقات کے لیے ان کے ہاں جائیں۔ احقر نے سنا تو حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے ان کے قدموں میں چلا۔

اسی مجلس میں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: بزرگو! آیت کریمہ **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** کی تلاوت کرتے ہوئے خیال آتا ہے کہ کیا ابوجہل بھی اسی انسان کا کوئی فرد ہوسکتا ہے؟ فرمایا: ''میں سمجھتا ہوں کہ غالباً اس انسان کا مصداق ایک ہی فرد فرید یعنی سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوسکتے ہیں''۔ جہاں تک یاد ہے۔ مذکورہ اکابر نے اس بات کو خاموشی سے سنا۔ مگر **نغمۃً فی الطبنور علی رغم الادب** طالب علمانہ شبہ کے طور پر احقر نے عرض کیا۔ حضرت پھر **ثم رود ناہ اسفل السافلین** میں **رودنا ہ** کی ضمیر کا کیا بنے گا۔ حضرت نے فرمایا: ''عزیز بھائی وہ تو مختصر المعانی نے ہم کو بتلایا کہ استخدام کی بھی ایک صورت قابل صد قبول ہے۔''

استخدام کا مطلب بھی قارئین ''نقیبِ ختم نبوت'' کی خاطر عرض کردوں۔ یہ ہے کہ ایک ہی لفظ کے افراد میں سے کسی جگہ کوئی فرد مراد ہو اور دوسری جگہ اسی لفظ یا اس کی طرف راجع ہونے والے ضمیر سے دوسرا فرد، جس کی مثالیں بھی مختصر المعانی نے بیان کی ہیں۔ یعنی اس سے کلام کی فصاحت اور بلاغت پر کچھ بھی اثر نہیں پڑتا۔

ایک صاحب نے سنایا، راوی یاد نہیں۔ غالباً وہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کا کوئی طالب علم تھا۔ اس نے کہا میں نے ایک دن سنا کہ حضرت شاہ صاحب بخاری آج تھانہ بھون تشریف لے جارہے ہیں۔ وہ کہتا ہے مجھے تعجب ہوا اور وہ اس لیے کہ ان دنوں جمعیت علماء ہند، مجلس احرار اور دوسری سیاسی جماعتیں مسلم لیگ کی مخالفت کررہی تھیں اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کو ان سے اتفاق نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ میں اسی دن تھانہ بھون چلا گیا تاکہ ان حضرات کی ملاقات کا منظر دیکھوں۔

اس کا بیان ہے کہ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ یہاں تو ایک عجیب قصہ پیش آیا اور وہ یہ کہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ جب اپنی عادت مستمرہ کے مطابق تقریباً دن کے گیارہ بجے گھر جانے لگے تو دو چار قدم چل کر واپس آکر اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ دو چار منٹ کے بعد پھر اٹھے، جانے لگے مگر پہلے کی طرح پھر واپس ہوئے بیٹھے اور پھر دولت خانہ جانے لگے۔ دو چار قدم جانے کے

بعد اپنے مدرسہ کے درجہ حفظ کے استاد صاحب سے سامنا ہوا تو فرمانے لگے حافظ صاحب عجیب بات ہے گھر جانے کا وقت ہے۔ جانا چاہتا ہوں تو طبیعت رک جاتی ہے۔ معلوم نہیں کیا بات ہے۔ راوی کے مطابق حافظ صاحب نے برجستہ کہا کہ حضرت ہوسکتا ہے کہ کوئی اہم شخصیت آپ کی زیارت کے لیے آرہی ہو۔ حافظ صاحب نے کہا کہ حضرت اسی جگہ بیٹھ گئے۔ جہاں یہ بات چیت ہوئی۔ تھوڑی دیر گزری تو ایک بزرگ صورت شخص ہاتھ میں کچھ میوہ لیے ہوئے بالکل اکیلے ظاہر ہوئے، آئے اور علیک سلیک کے بعد حضرت سے مصافحہ کیا۔ حضرت نے دریافت فرمایا۔ کون ہیں، کہاں سے آئے اور نام کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ سہارن پور سے آیا ہوں۔ نام عطاء اللہ ہے۔ حضرت نے گھور کر ان کے چہرے پر نظر ڈالی اور فرمایا کیا مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری۔ انھوں نے فرمایا جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا نام پورا بتلانا چاہیے تاکہ پہچان ہوجاتی۔ شاہ صاحب نے کہا حضرت اپنی زبان سے میاں مٹھو بننا مشکل ہوا۔ (خیال یہ ہے کہ یہ روایت بالمعنی ہے بالالفاظ نہیں۔ کیونکہ بہت عرصہ پہلے کی بات ہے)

حضرت نے فرمایا: اچھا اب تو میں پروگرام کے مطابق گھر جارہا ہوں، کھانا بھجواتا ہوں۔ اسے تناول کر کے آرام کریں۔ ظہر کے بعد ان شاء اللہ مجلس ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب نے ہدیہ پیش کیا تو حضرت تھانوی نے فرمایا مجھے اپنے مرشد کی نصیحت ہے کہ پہلی ملاقات میں کسی کا ہدیہ قبول نہ کریں۔ شاہ صاحب نے کہا حضرت مجھے بھی اپنے والد صاحب کی نصیحت ہے کہ کسی بزرگ کی زیارت کرنے جائیں تو کچھ نہ کچھ ہدیہ لے کر جاتے رہیں۔ میں ان کی نصیحت پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔ بہرصورت اس وقت تو حضرت نے ہدیہ وصول نہیں کیا۔ راوی کے مطابق ظہر کی مجلس میں پہلا مسئلہ یہی پیش ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہدیہ پیش کرتے رہے اور حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی خواہش یہی تھی کہ حضرت شاہ صاحب اس پر اصرار نہ کریں۔ بقول راوی: آخر میں حضرت حکیم الامت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ایک صورت سے قبول کرلوں گا اور وہ یہ کہ آپ یہ کہہ دیں کہ میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری آپ کو حکم دیتا ہوں کہ یہ ہدیہ قبول کرلیں۔ ایسی صورت میں، میں معذور سمجھا جاسکتا ہوں۔ کہ عالم ہے سید ہے اور مہمان ہے اور حکم کررہے ہیں تو ایسی صورت میں اکرام ضیف کی یہی صورت ہے۔ اس کے بعد ان اکابر کے درمیان کسی خاص مسئلہ پر کوئی گفتگو ہوئی یا نہیں۔ بظاہر حضرت شاہ صاحب حضرت حکیم الامت تھانوی کی صرف ملاقات اور دست بوسی کے لیے ہی غالباً تشریف لائے ہوں گے۔

ایک اور واقعہ بھی پیش خدمت ہے۔ سنا ہے کہ ۱۹۴۶ء میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر دہلی میں ہونے والی تھی۔ لال قلعہ اور شاہی مسجد کے درمیان ایک بہت بڑا وسیع میدان ہے۔ جس میں لاکھوں کا اجتماع تھا۔ ۱۲/ بجے رات سے صبح چار بجے تک تقریر میں پورا مجمع پورے سکون سے رہا۔ ابتداء میں حسبِ عادت حضرتؒ نے درود شریف پڑھنے کو فرمایا پھر خلافِ عادت بار بار یہی فرماتے رہے۔ درود شریف پڑھو۔ درود شریف پڑھو۔ کئی مرتبہ یہی ورد کرایا اور لوگ درود شریف پڑھتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اس کی توجیہہ یہیں کردوں اور وہ یہ کہ صبح تمام اخبارات کی شہ سرخیاں یہ ہوں گی کہ رات کا مجمع اتنا بڑا تھا کہ دہلی کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا بڑا عوامی جلسہ تھا۔ مگر مسلمانوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں تھی۔ بتلانا یہی چاہتا تھا کہ زمین سے آسمان تک درود شریف کی یہ مبارک آواز پہنچانے والے کون تھے؟

آزادیٔ کشمیر اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

مولانا زاہد الراشدی

کشمیر کے بارے میں ''ٹریک ٹو ڈپلومیسی'' کے پس پردہ بعض سرگرم قادیانیوں کو متحرک دیکھ کر کم وبیش پون صدی قبل کا وہ منظر نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا ہے، جب قادیانی گروہ نے کشمیر پر اپنا جال پھیلانے کے لیے مفکرِ پاکستان علامہ محمد اقبال تک کو کچھ دیر کے لیے دامِ ہم رنگ زمین کا شکار بنالیا تھا مگر مجلس احرار اسلام خطرہ کی بو سونگھتے ہوئے میدان میں کود پڑی اور اس نے نہ صرف علامہ اقبال کو اس جال سے نکالنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی بلکہ ڈوگرہ سامراج کے مظالم میں مسلسل پسے چلے جانے والے مجبور کشمیری عوام کے ساتھ ہمدردی کی آڑ میں قادیانیوں کے کشمیر کی طرف بڑھتے ہوئے قدموں کو بھی روک دیا تھا۔

یہ ۱۹۳۱ء کی بات ہے، جب ریاست جموں وکشمیر کے مسلمان عوام ڈوگرہ حکمرانوں کے مظالم اور جبر وتشدد سے تنگ آ کر بغاوت پر اتر آئے تھے اور قرآن کریم کی توہین کے ایک شرمناک واقعہ نے کشمیر کے غیور مسلمانوں کو ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف سڑکوں پر لا کھڑا کیا تھا۔ شیخ محمد عبداللہ مرحوم اسی احتجاجی تحریک میں منظر عام پر آئے تھے اور پھر اپنی شعلہ نوائی اور قائدانہ صلاحیتوں کے باعث آگے بڑھتے چلے گئے تھے۔ اس موقع پر میاں سر فضل حسین مرحوم جو پنجاب کے ان سرکردہ سیاسی رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے جو تحریک آزادی کا ساتھ دینے کی بجائے انگریزی حکومت کا سہارا بننے کو ترجیح دیتے رہے۔ انھوں نے شملہ میں کشمیری عوام کی حمایت کے لیے اپنے سیاسی ذوق کے حامل حضرات پر مشتمل ایک کشمیر کمیٹی تشکیل دی، جس کا سربراہ قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کو بنایا گیا اور چند دیگر سرکردہ مسلمان قائدین کے ساتھ علامہ اقبال کو بھی کشمیر کمیٹی کا رکن بنالیا گیا۔ مرزا بشیر الدین محمود کی سربراہی میں بننے والی کشمیر کمیٹی سے اس کے علاوہ کیا توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ مسلمانوں کی مظلومیت اور جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ریاست جموں وکشمیر میں قادیانی اثر ونفوذ کو فروغ دے گی اور اس میں علامہ اقبال کو شامل کرنے کا مقصد مسلمانوں میں اس عظیم فلسفی، شاعر اور مفکر کی مقبولیت کی آڑ میں اپنی پیش رفت کی جگہ بنانے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ اس پس منظر میں مرزا بشیر الدین محمود اور ان کے بعض حواریوں کی طرف سے کشمیر کو قادیانی ریاست بنانے کی خواہش کا بھی اظہار ہونے لگا، جسے برصغیر کے دیندار مسلمانوں اور خاص طور پر مجلس احرار کے رہنماؤں نے محسوس کیا اور احرار رہنماؤں کے وفد نے علامہ اقبال سے

ملاقات کر کے انھیں اس خطرہ سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے درخواست کی کہ وہ مرزا بشیر الدین محمود کی سربراہی میں بننے والی کشمیر کمیٹی سے علیحدگی کا اعلان کریں۔ علامہ اقبال نے یہ درخواست منظور کر لی اور کشمیر کمیٹی سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد اگست ۱۹۳۱ء کے وسط میں مجلس احرار اسلام نے کشمیری عوام کی حمایت میں خود میدان میں آنے کا فیصلہ کیا۔ اکتوبر میں چودھری افضل حق مرحوم، مولانا مظہر علی اظہر مرحوم اور خواجہ غلام محمد مرحوم پر مشتمل احرار قائدین کا وفد کشمیری عوام کے مطالبات پر ڈوگرہ حکمرانوں سے بات چیت کے لیے جموں پہنچا مگر بات چیت کسی نتیجہ پر نہ پہنچی تو مجلس احرار اسلام نے کشمیری عوام کی حمایت میں احرار کارکنوں کو کشمیر بھیجنے اور ان کی تحریک میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اسی دوران امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو دہلی سے گرفتار کر لیا گیا اور ڈیڑھ سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی، جس سے احرار کارکنوں کے جذبات میں مزید جوش وخروش پیدا ہوا اور نومبر ۱۹۳۱ء میں احرار کارکنوں نے چاروں طرف سے کشمیر پر یلغار کر دی۔ جہلم سے میر پور، راولپنڈی سے کوہالہ اور سیالکوٹ سے سچیت گڑھ کے راستے احرار رضا کار کشمیر میں داخل ہونا شروع ہوئے جنھیں ریاست کی حدود میں قدم رکھتے ہی گرفتار کر لیا جاتا۔ تین ماہ کے عرصہ میں چالیس ہزار کے لگ بھگ رضا کاروں کو کنٹرول سے باہر ہوتا ہوا دیکھ کر دہلی کی انگریز حکومت سے رابطہ کیا گیا، جس نے پہلے جمعیت علماء ہند کے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کے ذریعے احرار رہنماؤں سے مفاہمت کا راستہ نکالنے کی کوشش کی، جو کامیاب نہ ہوئی اور احرار کے خلاف دار وگیر اور جبر وتشدد کا محاذ دہلی کی انگریز حکومت نے براہِ راست سنبھال لیا۔ تحریک کا دائرہ ریاست سے نکل کر پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ کشمیر کے بعض لیڈروں کو ریاست میں احرار کی مقبولیت بڑھنے سے اپنی ڈگمگاتی دکھائی دی اور بعض معاصر سیاسی جماعتوں نے بھی تعاون کی امیدیں پوری نہ کیں، جس کی وجہ سے مجلس احرار اسلام کی یہ جدوجہد مزید آگے نہ بڑھ سکی۔ البتہ کشمیر عوام میں سیاسی بیداری اور جذبۂ حریت کو فروغ دینے میں اس تحریک نے اہم کردار ادا کیا، ورنہ اگر برصغیر کی دوسری سیاسی جماعتیں بھی اس موقع پر احرار کا ساتھ دیتیں اور ریاست جموں وکشمیر کی مقامی لیڈر شپ احرار کو اپنا حریف قرار دینے کی بجائے دوست اور معاون سمجھ لیتی تو آج اس خطہ کی صورتحال ہی مختلف ہوتی۔

قیامِ پاکستان کے بعد جب مجلس احرار اسلام نے مسلم لیگ کے ساتھ سیاسی مخالفت کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور پاکستان کے تحفظ ودفاع کی خاطر متحرک ہونے کا فیصلہ کیا تو لاہور کے کھلے جلسے میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اس کا شکوہ بھی کیا، جسے ''حیاتِ امیر شریعت'' کے مصنف جانباز مرزا مرحوم نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد جب بھارتی حکمرانوں کی طرف سے پاکستان کے خلاف جارحانہ عزائم کا اظہار شروع ہوا تو مجلس احرار اسلام نے جنوری ۱۹۴۹ء کے دوران دہلی دروازہ سے باہر ''دفاع پاکستان کانفرنس'' کے عنوان سے تین روزہ کانفرنس منعقد کی۔ جس میں احرار قائدین نے وطن عزیز پاکستان کے دفاع اور تحفظ کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے کا اعلان کیا۔ اس کانفرنس میں جب امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری خطاب

کر رہے تھے تو ان کی تقریر کے دوران ممتاز کشمیری لیڈر چودھری غلام عباس مرحوم بھی جلسہ گاہ میں تشریف لائے جن کا احرار کارکنوں نے پر جوش استقبال کیا اور ''کشمیر ہمارا ہے'' کے نعروں کی گونج میں انھیں اسٹیج پر پہنچا دیا۔ اس موقع پر شاہ جی نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''چودھری صاحب کی آمد سے بات دوسری طرف چلی گئی۔ عزیزو! خدا جانے اب آپ کس کشمیر کے متعلق سوچ رہے ہیں؟ ورنہ وہ کشمیر جو ذہنوں میں جنت کا نشان ہے، جس کے متعلق میری رائے ہے کہ پروردگارِ عالم نے آسمانوں پر اپنی موجودگی میں تیار کروا کر اسے زمین پر اتار دیا، وہ جنت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے جس میں اب نہیں ۱۹۳۱ء سے مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ اس زمانے میں ہم نے اس کشمیر کے متعلق مسلمانوں سے بات کہی تھی لیکن اس وقت کے رئیس مسلمانوں نے جن کا تعلق فرنگی ایوانوں سے تھا، ہماری بات نہ سنی۔ اگر اس زمانے میں جب ہم نے چالیس ہزار کے قریب مسلمانوں کو جیل میں بھجوا دیا اور بائیس نوجوانوں نے کشمیر کی آزادی کے لیے جامِ شہادت نوش کیا تھا، ہماری بات مان لی ہوتی تو آج کشمیر کا نقشہ یہ نہ ہوتا۔ خیر بہرحال! جناب اب آپ بھی سن لیں اور چودھری صاحب بھی۔ کشمیر تو آپ اپنے ہاتھ سے دے چکے۔ اگر فائر بندی کی بات نہ ہوتی تو ممکن ہے کوئی بات بن جاتی، مگر اب تو میری بات لکھ کر جیب میں ڈال لو کہ فرنگی اور ہندو اب آپ کو کشمیر نہیں دیں گے۔ ہاں کبھی فرنگی کو ضرورت ہو کہ وہ اس مستقل فساد کو ختم کرے تو ممکن ہے اس کا کچھ حصہ آپ کے پاس آ جائے۔''

شاہ جی کا مطلب یہ تھا کہ جب ۱۹۴۸ء میں کشمیری مجاہدین اور ان کے ساتھ آزاد قبائل کے غیور مسلمان سری نگر اور پونچھ میں داخل ہو رہے تھے، اس وقت جنگ جاری رکھنے کی بجائے ''سیز فائر'' قبول کر کے ہندوستان کو کشمیر پر مسلح قبضے کا موقع فراہم کیا گیا، اس لیے اب بھارت آسانی سے کشمیر نہیں چھوڑے گا اور نہ ہی فرنگی کشمیر کو پاکستان کے سپرد کرنے کے لیے تیار ہوگا۔

اس پرانی داستان کو دہراتے ہوئے میرے ذہن میں دو سوال ابھر رہے ہیں۔ ایک یہ کہ آج پھر جبکہ مجاہدین کشمیر نے انڈین آرمی کے لیے کشمیر میں زیادہ دیر تک براجمان رہنے کو مشکل تر بنا دیا ہے اور بھارت اک بار پھر ''سیز فائر'' کے نام سے اپنے اکھڑے ہوئے قدم دوبارہ جمانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے تو کیا ہمارے حکمران پھر سے بھارت کو کشمیر میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کا موقع دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ آج پھر کشمیر کی صورتحال کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے لیے ''قادیانی لابی'' سرگرم عمل ہے اور اس کے دام ہم رنگ زمین میں بڑے بڑے خوش نما چہرے اور متبرک نام شکار ہوتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ تو کیا آج چودھری افضل حقؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا مظہر علی اظہرؒ، شیخ حسام الدینؒ اور ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کا کوئی وارث زندہ نہیں ہے جو کشمیر کی طرف قادیانیوں کے تیزی سے بڑھتے ہوئے قدموں کو راہ میں روک لے اور آج کے دانشوروں کو آج کے بشیر الدین محمودوں کے جال میں پھنسنے سے بچا لے؟

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
بے مثال خطیب، سحر انگیز شخصیت

شیخ نسیم الصباح (امیر مجلس احرار اسلام اوکاڑہ)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ہم سے جدا ہوئے اڑتالیس سال گزرنے کو ہیں لیکن آج بھی محفلیں ان کی باتوں اور یادوں سے تروتازہ اور شگفتہ ہیں۔ جن لوگوں نے شاہ جی کو قریب سے دیکھا اور سنا ہے۔ وہ اس بات کی شہادت دیں گے کہ امیر شریعت سحر انگیز انسان تھے۔ جو شخص ایک دفعہ ان کے قریب ہو گیا وہ انہی کا ہو کر رہ گیا۔ جس نے ایک مرتبہ شاہ جی کو سنا ان کا گرویدہ ہو گیا۔ امیر شریعت اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک ادارہ اور ایک تحریک تھے۔

شاہ جی کی خطابت، فصاحت و بلاغت، روانی کے علاوہ اخلاص، جرأت و بے باکی اور حق گوئی سے آراستہ و پیراستہ اور عشقِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت تھی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو اشک بار ہو جاتے۔ سیرت بیان کرتے تو قرونِ اولیٰ کے ورق پلٹ دیتے۔ سننے والے مکہ و مدینہ کی گلیوں میں گھومتے پھرتے۔

مولانا ظفر علی خان نے شاہ جی کے بارے میں کہا تھا:

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا:

''قادیانیوں کے خلاف ان کی ایک تقریر ہماری پوری تصنیف سے بڑھ چڑھ کر ہے۔''

امیر شریعت نے ساری عمر مسئلہ ختم نبوت بیان کرتے گزاری۔ وہ سچے اور پکے عاشق رسول تھے۔ وہ ببانگ دہل کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے والی زبان نہ رہے یا سننے والے کان نہ رہیں۔

۲۱/اگست ۱۹۶۱ء کو یہ عظیم المرتبت انسان لوگوں کے قلب و جگر کو مسخر کرنے والا خطیب راہی ملک عدم ہوا۔ ملتان شہر کی وسعت شاہ جی کے عقیدت مندوں اور جاننے والوں کے ہجوم سے تنگیٔ داماں کی شکایت کرنے لگی۔ راقم الحروف اس عظیم الشان جنازہ میں شریک تھا۔ غم زدہ انسانوں کا ایک ہجوم تھا۔ انھیں سپردِ خاک کیا گیا تو ان کے ساتھ ہی ایک صدی کی تاریخ بھی دفن ہو گئی۔

''سیّدی وَ اَبی''.....ایک تأثر

محمد الیاس میراں پوری

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی شخصیت میں کچھ ایسا سحر، کچھ ایسی کشش تھی کہ انھیں عالمِ فنا سے عالمِ بقا کی جانب سفر کیے نصف صدی سے زائد عرصہ بیت چکا، زمانے نے کئی کروٹیں بدلیں، کئی اقدار، کئی روایات ختم ہوئیں اور گردشِ ایام کے بہت سے نئے رنگ نمایاں ہوئے، لیکن شاہ جی کا نام آج بھی محترم ہے۔ لاکھوں دلوں کی دھڑکن۔ تاریخ کے اوراق پر روشن تر۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انساں نکلتے ہیں

خدا نے وہ سانچہ ہی توڑ دیا ہے جس میں اس قسم کے لوگ ڈھلا کرتے تھے۔ ایک مردِ حُر کہ جس نے فرنگی سامراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرأت، غلام ہندوستان کے ہر کوچہ و بازار میں عام کی۔ سامراج کے انخلاء کے لیے اپنی پوری زندگی جیل اور ریل کی نذر کر دی۔ کبھی مصلحت کا شکار نہ ہوئے۔ وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ایک عہد، ایک روایت بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ پٹنہ میں بچپن، امرتسر میں جوانی اور ملتان میں بڑھاپا گزار کر جب شاہ جی نے اس دنیا سے رختِ سفر باندھا تو پاکستان اور ہندوستان کے ہر گوشے ہر کونے میں، کروڑوں سماعتوں میں ان کی شعلہ بیانی اور خوش الحانی کی گونج لرزاں تھی اور اتنی ہی آنکھوں میں آنسو۔ ان آنسوؤں کا ساحل ملتان تھا۔ امیر خسرو نے غیاث الدین بلبن کے بیٹے شہزادہ محمد کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا تھا۔ مرثیے کے اس شعر کا انطباق شاہ جی پر بھی ہوتا ہے:

بسکہ آبِ چشم خلقی شد رواں در چار سو
پنج آب دیگر اندر مولتاں آمد پدید

''لوگوں کی آنکھوں کا پانی (آنسو) اتنی روانی سے بہہ رہا ہے جیسے ملتان میں پانچ دریاؤں کا پانی آ گیا ہو۔''

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے فن اور شخصیت پر متعدد مصنفین نے طبع آزمائی کی۔ جن میں شورش کاشمیری (سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ سوانح وافکار)، جانباز مرزا (حیاتِ امیر شریعت)، خان غازی کابلی (حیاتِ بخاری) قابل ذکر ہیں۔ یہ کتب اپنے مواد، اسلوب اور اندازِ بیان کے حوالے سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ چھوٹی بڑی بیسیوں کتب اور بھی ہیں۔ اس کے علاوہ شاہ جی پر مختلف رسائل و جرائد نے خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا۔ قومی اخبارات میں شاہ جی کی یاد میں مضامین چھپتے رہے۔ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے ''اردو ادب و خطابت کی روایت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی

خدمات'' کے عنوان سے استادِ محترم پروفیسر محمود الحسن قریشی مرحوم (م: ۲۴ر جنوری ۲۰۰۶ء) پی ایچ ڈی کر رہے تھے لیکن موت نے انھیں مہلت نہ دی۔ شاہ جی جیسی عظیم شخصیت پر اب تک ویسا وسیع کام بہر حال نہیں ہو سکا جس کی ضرورت تھی۔

''سیدی وَ ابی'' شاہ جی کی صاحبزادی سیدہ ام کفیل بخاری کی تالیف ہے۔ بنتِ امیر شریعت نے اپنے عظیم والد کی یادوں کی مالا بنائی ہے۔ عقیدت و محبت کے موتیوں کی یہ مالا حسن و خوبی اور خوش سلیقگی کی بہترین مثال ہے۔ اسلوب میں سلاست اور روانی ایسی ہے کہ قاری کو تکان یا بیزاری کا احساس نہیں ہوتا۔ علمی رعب اور لغت کے بھاری الفاظ کے بوجھ سے قاری کو الجھایا نہیں گیا۔ ایک سادگی ہے جو قاری کو فوری طور پر متاثر کرتی ہے اور اسے کتاب خوانی پر راغب کرتی ہے۔ پر تکلف نثر پر سادہ بیانی ہمیشہ سبقت لے جاتی ہے۔ یہی خوبی اس کتاب کو اعلیٰ نثری ادب میں شامل کرتی ہے۔

''سیّدی وَ اَبی'' اس لحاظ سے اہم ہے کہ شاہ جی پر ان کے کسی فردِ خانہ کی طرف سے لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب ہے اور دوسری سوانحی کتب سے بالکل مختلف، منفرد اور الگ تھلگ۔ اس میں عہدِ ماضی کے کئی مخفی گوشوں کی نقاب کشائی بھی کی گئی ہے۔ اس میں شاہ جی کے خاندانی حالات کا تذکرہ بھی ہے اور شجرہ نسب کی تفصیل بھی۔ جو پڑھنے والے کی علمی تشنگی کو کم کرتی ہے۔ اس میں نصیحت کا انداز بھی ہے اور صبر، قناعت، استقامت، بہادری، شجاعت، اولاد کی دینی تربیت جیسی ایمانی کیفیات کا اظہار بھی۔

ہر والد کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے لیکن بیٹی کے ساتھ بیٹوں کی نسبت کہیں زیادہ۔ شاہ جی کو بھی بیٹی سے بہت محبت تھی:

> ''میری بیٹی..... میرے ظاہری اسباب میں سے، میری حیات کا باعث ہے۔ اللہ بیٹوں کو بھی سلامت رکھے، مگر بیٹی سے مجھے محبت بہت ہے۔''

''سیّدی وَ اَبی'' ادبیت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یعنی وہ نثری خوبیاں جنھیں ہم کلاسیکی نثر میں تلاشتے ہیں، اور جو وسیع مطالعے اور عمیق مشاہدے کی دین ہوتی ہیں۔ عظیم بیٹی کو الفاظ کے لیے مطلقاً کاوش نہیں کرنا پڑی بلکہ حروف خود بخود الفاظ کے سانچے میں ڈھلتے چلے گئے۔ انھوں نے شاہ جی کے فکر و فن کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ گویا وجہی کے الفاظ میں ''دودھ میں آب لوچ گھول لیا ہے۔'' ملاحظہ کریں:

> ''اگر مہرِ نیم روز کے سامنے مٹی کا دیا جلا کر سورج کی روشنی میں اضافہ کیا جا سکتا ہے یا شب ماہتاب میں شمع جلا کر رات کی تاریکی کم کی جا سکتی ہے یا نسیمِ سحر کے روح پرور اور جاں فزا جھونکوں کے روبرو دستی پنکھے ہواؤں کو روح میں اتار سکتے ہیں تو پھر میرے ابا جی کی شخصیت کا حسن و وقار الفاظ سے اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ اولاد ہونے کے ناتے ابا جی ہمارے لیے تو دنیا و آخرت کی سب سے بڑی نعمت تھے..... ع
>
> پھر ان کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی
>
> ہمارے لیے تو ان کی زندگی کے تمام نشیب و فراز ہی اصول زیست تھے اور ہیں۔ کبھی ان کی قدر و منزلت ان کو ربصر اپنوں، بیگانوں سے بھی پوچھی جائے کہ جنھوں نے ان سے نہ صرف یہ کہ اختلاف کیا بلکہ مخالفت کی پستیوں میں اترتے چلے گئے۔ الزام و دشنام کے ہر ہر گوشے کو، اِن ''مسلمان'' کہلانے والوں

نے یوں گرمایا کہ ہر سو شرافت دم توڑ گئی اور حیا سرنگوں ہوگئی۔''

''سیدی وَ اَبی'' کا مقدمہ شاہ جی کے نواسے محترم کفیل بخاری نے لکھا ہے۔ الفاظ کا شکوہ، اسلوب کی لطافت و روانی..... بقول شخصے اردو شاہ جی کے گھر کی لونڈی ہے۔ اور خطابت تو ویسے ہی ان کا موروثی ملکہ ہے۔

''سیدی وَ اَبی'' دو ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں سوانحی حالات ہیں جبکہ دوسرے باب میں شاہ جی کے وہ خطوط ہیں جو انھوں نے اپنی بیٹی کے نام جیل سے لکھے ہیں۔ یہ ۲۳ خطوط ہیں۔ ان خطوط کی اہمیت اس لحاظ سے بھی مسلمہ ہے کہ یہ ملک کے آزاد ہونے کے صرف پانچ سال بعد، اس کی نظریاتی شناخت کے تحفظ کے لیے چلائی گئی ایک عظیم الشان عوامی تحریک (ایجی ٹیشن) کے قائد کے خطوط ہیں۔ ان خطوط میں پُر تکلف انداز کی بجائے روزمرہ زبان استعمال کی گئی ہے۔ شاہ جی کے کتنے ہی ذاتی احوال و آثار ان خطوں کے ذریعے سے پہلی بار منظر عام پر آئے ہیں۔ ان خطوں میں جیل کی جان لیوا صعوبتوں کا ذکر تک نہیں ورنہ جیل میں پہنچ کر تو بڑے بڑوں کی قبائیں ڈھیلی اور عزائم یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ لیکن شاہ جی کی کوہ ہمالیہ جیسی استقامت میں لغزش تک نہیں آئی۔ انھوں نے قیدِ قفس کو منتقلیٔ مکان کا نام دیا ہے۔ شاہ جی نے خود جیل میں رہ کر، جیل سے باہر کے لوگوں کو صبر، قناعت، ہمت اور استقامت کا درس دیا۔ اپنے نام ور اور نابغہ معاصرین سے شاہ جی کے بے تکلفانہ مراسم کی بعض جھلکیاں بھی اس کتاب کے ذریعے سے سامنے آتی ہیں۔ شاہ جی کے یہ خطوط معروضی اعتبار سے ان کے شخصی اور سوانحی مطالعے کے لیے ایک کلیدی اہمیت رکھتے ہیں۔

کتاب میں کئی واقعات ہیں کہ جو پڑھنے والے کی آنکھوں کو نم کر دیتے ہیں۔ یہ شاہ جی کی ذاتی زندگی کی جھلکیاں ہیں۔ ان واقعات و حوادث کو ایک بیٹی نے من و عن بیان کر دیا۔ ایک ایسی دستاویز جس میں شاہ جی کی قومی جدوجہد کا تذکرہ تاریخی حقائق کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ تقسیم سے قبل متحدہ ہندوستان میں تقسیم کے بعد پاکستان میں سچائی کی خاطر لڑنے والوں پر کیا گزری۔ یہ اُس زمانے کی سیاسی تاریخ بھی ہے اور مختلف شخصیات کا تذکرہ بھی۔ یہ شخصیات مذہبی بھی تھیں اور ادبی و سیاسی بھی۔ ابوالکلام آزاد اور محمد علی جوہر سے لے کر اقبال اور ظفر علی خاں تک، مفتی کفایت اللہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی سے لے کر مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد علی لاہوری تک، جگر مرادآبادی اور حفیظ جالندھری سے لے کر ڈاکٹر تاثیر، فیض احمد فیض اور عبدالحمید عدم تک۔ برصغیر پاک و ہند کے بڑے بڑے شاعر، رند بھی اور زاہد بھی، شاہ جی سے محبت اور دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اُن کی شخصیت مسلک و مشرب کے دائروں سے ارفع و اعلیٰ تھی۔

اس کتاب کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ خطابت جو یونانی ادب کا اہم جز و تھی، اس نے اردو میں بھی ایک ایسے نابغہ سے روشناس کروایا جسے عالمی ادب میں فخر کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔

موضوعِ کتاب اور مؤلفۂ کتاب دونوں کا مقام اتنا بلند ہے کہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ ان کے بارے میں اظہارِ خیال کر سکوں لیکن محبت اور عقیدت نے یہ چند الفاظ مجھ سے از خود لکھوا لیے ہیں یعنی.....

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

پہلی قسط

سفر برطانیہ اور مختلف اجتماعات میں شرکت

عبداللطیف خالد چیمہ (سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان)

میں ۲۸ر جون کو برطانیہ کے سفر پر لندن پہنچا تھا۔ لندن میں میرا قیام اپنے چچازاد بھائی عرفان اشرف چیمہ اور گلاسگو میں قدیم جماعتی ساتھی شیخ عبدالواحد کے ہاں ہوتا ہے۔ گزشتہ چند ماہ کے دوران مولانا قاری محمد عمران خان جہانگیری، گلاسگو میں ہمارے پرانے مہربان اعجاز نسیم اور پھر شیخ راحیل احمد (جرمنی) کے یکے بعد دیگرے رحلت فرما جانے کے بعد برطانیہ کے سفر سے قبل ہی طبیعت بے حد پژمردہ اور مختلف عوارض واحوال کی بنا پر پریشان تھی۔ انتقال فرما جانے والے تینوں حضرات کی بے پناہ محبتیں ہم زندگی بھر بھلا نہیں سکتے۔ لندن قیام کے دوران میرا خاصا وقت عالمی مبلغ ختم نبوت جناب عبدالرحمٰن باوا کی قائم کردہ ختم نبوت اکیڈمی میں گزرتا ہے۔ جہاں ان کے فرزند اور اکیڈمی کے منتظم جناب سہیل باوا اور ان کا وسیع حلقہ ہمارا دل لگائے رکھتا ہے۔ دوستانہ ماحول اور مشرقی انداز میں اکیڈمی میں مسلم نوجوانوں کو مجتمع رکھنے کے لیے بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔ میں ۲۹ر جون کو اکیڈمی پہنچا تو جناب عبدالرحمٰن باوا سے ضروری امور پر مشاورت کے ساتھ ساتھ پاکستان اور دنیا بھر میں قادیانی تعداد کے بارے حوالہ جات کے ساتھ گفتگو ہوتی رہی اور طے پایا کہ قدیم وجدید حوالوں سے محترم باوا صاحب اسی پر ایک مضمون مرتب کریں گے۔ تاکہ قادیانی تعداد کے حوالے سے ایک مستند رپورٹ سامنے آسکے اور قادیانی دنیا بھر میں اس حوالے سے جو مسلسل جھوٹ بولے جارہے ہیں، اس کی حقیقت سے دنیا کو آگاہ کیا جاسکے۔

یکم جولائی کو میں انڈر گراؤنڈ کاون ڈے کارڈ لے کر ٹرین کے ذریعے محترم باوا صاحب کے ہمراہ کلیپ ہم جنکشن کے علاقے میں خانقاہ سراجیہ اور والد گرامی مرحوم (حافظ عبدالرشید) سے تعلق رکھنے والے قمر عبدالعلیم اور ان کے عزیز محمد عباس کی ضیافت میں شرکت کے بعد ہم نے ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا محمد عیسیٰ منصوری کے ہمراہ حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کی خدمت میں حاضری دی۔ مولانا سنبھلی کے ہاں اس سے پہلے سالوں میں ہمیشہ حاضری قاری جہانگیری مرحوم کے ساتھ ہوتی رہی۔ اکثر مجالس میں ہم نے بزرگوں اور دوستوں سے تعزیت کا اظہار بھی کیا اور تعزیت وصول بھی کی۔ مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی سے ملاقات بجائے خود ایک نشست کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور میں اپنے مزاج کے مطابق بولنے کی بجائے سننے کو ترجیح دیتا ہوں اور دینی واجتماعی حوالوں سے ان کی انتہائی مفید گفتگو کو دماغ کی ٹیپ میں محفوظ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اُن کا کہنا تھا کہ طعن وتشنیع کے لیے نہیں بلکہ تجزیئے کے لیے ازحد ضروری ہے کہ

ہم جائزہ لیں کہ تقسیم برصغیر کے مقاصد سے مسلسل انحراف کی اصل وجوہ کیا ہیں؟ وہ فرمانے لگے کہ احرار جرأت واستقامت کا نام تھا۔ آپ حضرات کو اپنا مؤثر کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ مولانا سنبھلی اور مولانا منصوری نے ان حوالوں سے دینی سیاست کا مناسب تنقیدی جائزہ لیا جو اصولاً قرینِ قیاس تھا۔ میں نے عرض کیا کہ آج کے دور میں کام کو بڑھانے کے لیے جن وسائل کی ضرورت ہے، عموماً وہ ہمارے پاس نہیں ہیں۔ ''پرائے'' وسائل سے کام کو بڑھا کر اپنا کنٹرول ختم ہو جاتا ہے اور مقصدیت مفقود ہو جاتی ہے۔ اس پر مولانا سنبھلی نے فرمایا کہ حلال وحرام کی تمیز قائم رکھتے ہوئے ہم مکلّف بھی اسی کے ہیں کہ جو بس میں ہو سکے، کیا جائے اور آلائشوں سے لازماً دور رہا جائے۔

۳؍جولائی کو ختم نبوت اکیڈمی فاریسٹ گیٹ لندن میں نمازِ جمعۃ المبارک سے قبل حسب سابق عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت وضرورت کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ ۴؍جولائی کو ہم سہیل باوا صاحب کی معیت میں خالد محمود، کامران بھائی، خرم، رضوان اور دیگر نوجوان ساتھیوں کے ہمراہ آکسفورڈ پہنچے۔ ہم کل آٹھ ساتھی تھے اور یوں لگ رہا تھا کہ جیسے یہ کوئی ختم نبوت کا چلتا پھرتا قافلہ ہے کہ جہاں پڑاؤ ہو جائے بات تحفظ ختم نبوت اور ردّ قادیانیت کی ہوتی ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومستی کے واقعات سنائے جاتے ہیں۔ آکسفورڈ میں اسعد صاحب ہمارے میزبان تھے اور سہیل باوا نے مدینہ مسجد میں مغرب کی نماز کے بعد ختم نبوت کے حوالے سے میری گفتگو کا اہتمام کرلیا۔ چنانچہ عشاء کے قریب ہم آکسفورڈ سے روانہ ہو کر رات گئے برمنگھم کے قریب وُل وَر ہمٹن پہنچے، جہاں باوا صاحب کے معمر عزیز محمود جیوا اور ان کے اہل خانہ نے اس پورے قافلے کی جس خوش طبعی سے میزبانی کی، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

۵؍جولائی کو ہم نے برمنگھم میں وقاص محمود، افتخار الرشید، عدیل اکرم اور ہارون راشد کے ہاں ناشتہ اور آرام کیا اور ظہر کے بعد مولانا امداد الحسن نعمانی کی میزبانی میں ختم نبوت ایجوکیشن سنٹر میں منعقد ہونے والی مشہور ''عظمتِ صحابہ کانفرنس'' میں شرکت کے لیے روانہ ہو گئے۔ تقریباً دو کنال پر محیط یہ جگہ چند سال قبل مولانا نعمانی نے بڑی تگ ودو کے بعد خریدی تھی جو گرین لین بوزلے گرین کے علاقے میں واقع ہے۔ اس کی اہمیت اس وجہ سے اور زیادہ ہو جاتی ہے کہ اس کے بالکل قریب البرکت مسجد کے نام سے تقریباً ۸ کنال رقبے پر قادیانیوں نے اپنا ''معبد'' قائم کر رکھا ہے۔ مولانا نعمانی، مولانا اکرام الحق خیر، مولانا محمد قاسم اور دیگر رفقاء کرام کے ہمراہ اس مرکز کو بڑی محنت سے آباد کرنے کے لیے لگے ہوئے ہیں۔ ہر سال کم وبیش اِنہی دنوں میں یہاں سالانہ عظمتِ صحابہ کانفرنس منعقد ہوتی ہے اور اس میں پاکستان سمیت دیگر ممالک کے علماء کرام بھی شرکت کرتے ہیں جہاں کئی حضرات سے ملاقات ومشاورت کا موقع مل جاتا ہے۔ اس دفعہ دیگر حضرات کے علاوہ مولانا سید عبدالرحمٰن شاہ سے بھی مدتوں بعد ملاقات ہوئی۔ سید عبدالرحمٰن شاہ، جانشین امیر شریعت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے برادرِ نسبتی ہیں اور ایک عرصے سے لیسٹر کی مسجد میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بیمار ہونے کے باوجود انتہائی خوش طبعی اور خندہ پیشانی سے ملے اور ملاقات میں ہم نے پرانی یادوں کو تازہ کیا۔

گرمیوں میں یہاں ظہر تا عصر میں کم وبیش چھے سات گھنٹوں کا فرق ہوتا ہے، اس لیے ظہر کے بعد طویل دورانیے والے اکثر اجتماعات پوری آب وتاب کے ساتھ منعقد ہوتے ہیں۔ کانفرنس کی صدارت مولانا محمد حسن اور ڈاکٹر اختر الزماں غوری نے کی، جبکہ ڈاکٹر علامہ خالد محمود، مولانا عبدالحنان، قاضی خلیل الرحمٰن بالاکوٹی، صاحبزادہ خالد محمود قاسمی، مفتی حفظ الرحمٰن بنوری، مفتی فخر الدین، قاری تصور الحق، مولانا محمد اقبال قادری، سید سلمان گیلانی، قاری محمد حنیف شاہد، قاری ابرار حسین شاہ، طاہر بلال چشتی سمیت دیگر مقررین نے خطاب وشرکت کی۔ راقم الحروف نے جو معروضات پیش کیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تاریخی نہیں قرآنی شخصیات ہیں۔ تاریخ کا جھوٹا سہارا لے کر ان نفوسِ قدسیہ پر تنقید کرنے والے دراصل قرآن وسنت اور توحید وختم نبوت کو ہی متنازعہ بنانا چاہتے ہیں۔ اسلام کو سب سے زیادہ نقصان منکرین ختم نبوت اور منکرین صحابہ نے پہنچایا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کی روشنی میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر سیدنا حضرت وحشی بن حرب اور سیدنا مروان بن الحکم (رضی اللہ عنہم) تک تمام کے تمام صحابہ حق پر تھے اور ستاروں کی مانند ہیں۔ ہم جس صحابی کی بھی پیروی کریں گے، وہ ہمیں جنت میں لے جائے گی۔ امت کے لیے خلافتِ صحابہ اور صحابہ کرام آئیڈیل ہیں۔ ان کو نشانۂ مشق بنانے والے دراصل عبداللہ ابن سبا کے مذموم عزائم کی تکمیل چاہتے ہیں۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو رول بیک کرانے کے لیے قادیانی گروہ پوری طرح سرگرم ہے۔

۱۹۸۴ء میں قادیانی ڈاکٹر عبدالسلام کے ذریعے پاکستان کے ایٹمی راز امریکہ کو فراہم کیے گئے۔ مالاکنڈ اور سوات میں ہونے والا آپریشن یک طرفہ اور ظالمانہ ہے اور پاکستانی حکمران امریکی ویہودی مفادات کے تحت پاکستان میں اسلامائزیشن کی تحریک کو آگے بڑھنے سے روک رہے ہیں۔ امریکی مفادات کے ذریعے اپنی مرضی کے رہنما، لیڈر اور طالبان کھڑے کیے جارہے ہیں۔ قوم کو اس دھوکے سے ہوشیار رکھنے کی ضرورت ہے۔

(جاری ہے)

احرار اور تحریک آزادیٔ کشمیر

انٹرویو: خواجہ محمد یعقوب (لاہور) / ضبطِ تحریر: صفدر ادیب

تحریک کشمیر ۱۹۳۰ء کے حوالے سے یادداشتوں پر مشتمل ایک دلچسپ تحریر

کشمیر سے اطلاعات آ رہی تھیں کہ ڈوگرہ حکومت نے کشمیر میں مسلمانوں کی زندگی عذاب بنا رکھی ہے۔ مسجدوں میں تالے ڈال دیئے گئے اور قرآن حکیم کی بے حرمتی کی گئی۔ پھر کیا تھا..... مجلس احرار نے کشمیر تحریک شروع کر دی۔ ہر شہر سے قافلے کشمیری مسلمانوں کی امداد کو جانے کے لیے تیار ہونے لگے۔ قافلوں میں سترہ سے بائیس سال تک کے نوجوان شامل کیے جاتے تھے۔ روانگی سے پہلے عہد نامے پر دستخط لیے جاتے جس میں ہر تکلیف کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنے، خیر اور بھلائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کا اقرار کرنا پڑتا تھا۔

جالندھر کے قافلے میں انتیس جانباز شامل ہوئے۔ میں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بانسوں والے بازار جہاں آج کل گڑ منڈی ہے، سے ہاشم شہید شاہ کے مزار کے سامنے قافلہ کوچ کے لیے تیار ہونے لگا۔ حاجی سید احمد شاہ سالارِ احرار کی سرکردگی میں ہمارا قافلہ شہر کے لوگوں کو الوداع کہنے کے لیے اڈے کی طرف روانہ ہو گیا اور اگلے روز ہم سیالکوٹ پہنچ چکے تھے۔ جہاں مولانا مظہر علی اظہر قافلہ بندی کر کے روانگی کا حکم دیتے، ابھی ہم یہیں تھے کہ اطلاع آئی کہ سوچیت گڑھ کے مورچے پر کچھ مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ جہلم اور امرتسر کے قافلے آ گئے تو جلسے کی تیاری ہونے لگی۔ جلسے کے بعد خبر آئی کہ الٰہی بخش چنیوٹی (۱) میر پور کی پہاڑیوں میں شہید ہو گئے اور اُن کے کچھ ساتھی زخمی حالت میں پڑے ہیں۔ یہ قافلے والوں کی آزمائش کا وقت تھا۔ مگر ہمارے دل خوف و ہراس کے بجائے شوقِ شہادت سے لبریز تھے۔ مجاہدانہ زندگی کا نظارہ آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ تمام رات نعت خوانی اور تلاوتِ قرآن میں گزار دی۔ علی الصبح روانگی ہوئی۔ میر پور کی تمام پہاڑیوں میں ڈوگرہ فوج مقیم تھی اور اردگرد سرحدوں پر انگریزی فوج اس کی مددگار۔ سردیوں کا موسم تھا۔ دریا میں کشتیوں کی آمد و رفت بند کر دی گئی تھی۔ اور میر پور کی فوجی چوکی کے ساتھ ہی تار کھینچ کر جیل بنا دی گئی۔ لڑنا ہمارا مقصد نہ تھا۔ ہم تو کشمیر کی سرحد پار کر کے کشمیری مسلمانوں کی آزادی اور حقوق کا مطالبہ کرنا چاہتے تھے۔ جہلم سے آیا ہوا قافلہ جب اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگاتا سرحد میں داخل ہونے لگا تو گرفتار کر لیا گیا۔ ہمارے قافلے نے موقع غنیمت جان کر

(۱) چنیوٹ کا احرار کارکن، جو تحریکِ کشمیر کا پہلا شہید تھا۔ (ادارہ)

جنگلات کا رخ کیا۔ ہماری یہ روانگی بالکل خفیہ رہی۔ ایک جگہ راستے میں نہر آ گئی۔ رات ہو چکی تھی۔ قافلے والے ٹھہر جانے کے متعلق سوچنے لگے کہ میں نے اللہ کا نام لے کر نہر میں چھلانگ لگا دی۔ پھر دوسرے ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ غرض ہم سینے نامی ایک گاؤں میں پہنچ گئے۔ جہاں کے لوگوں نے ہماری ہر طرح مدد کی۔ ہم رات کو سفر کرتے۔ دن کو چھپ جاتے۔ باہر کی دنیا سے ہمارا رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔ ہم ہر رات دس میل کا راستہ طے کرتے۔ ہم ارادہ کر چکے تھے کہ سری نگر پہنچ کر دم لیں گے۔ ہمارے کپڑے پتھروں اور جھاڑیوں میں الجھ کر پھٹ چکے تھے۔ فاقہ اور جوشِ جہاد زوروں پر تھا۔ مگر بدقسمتی سے سیری کے مقام پر پولیس بہت زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ راستہ کوئی نہ تھا۔ بچ کر نکل جانا ناممکن ہو گیا۔ پاؤں میں چھالے پڑ چکے تھے۔ ایک چشمے پر وضو کر کے ہم ظہر کی نماز ادا کرنے کھڑے ہوئے۔ جب سلام پھیرا تو ہمارے چاروں طرف پولیس اور فوج گھیرا ڈال چکی تھی۔ ہم نے پھٹی ہوئی سرخ قمیصوں کو اپنی لاٹھیوں پر جھنڈے کے طور پر بلند کر دیا اور اللہ اکبر کے نعروں سے پوری فضا گونجنے لگی۔ بالآخر ہمیں گرفتار کر لیا گیا۔ ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں مگر اکثر نے جھٹکے دے دے کر ان پرانی قسم کی ہتھکڑیوں کو توڑ ڈالا۔ تڑاخ تڑاخ ہتھکڑیاں ٹوٹ رہی تھیں اور پولیس حیران ہو کر گھبرا رہی تھی۔ حالانکہ ہم کوئی مزاحمت نہیں کر رہے تھے۔ پولیس نے مجبور ہو کر ہتھکڑیوں کے بغیر جلوس کی شکل میں تھانے لے جانا منظور کیا۔ صبح ہوئی تو سیری کے مسلمانوں نے مکی کی روٹی، دودھ، دہی سے ہماری آخری تواضع کی۔ پھر ہمیں پولیس کی بھاری جمعیت میں میر پور جیل روانہ کر دیا گیا۔ سیری میں مشعل جلا جلا کر لوگوں نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ میر پور جیل میں ہم ان ساتھیوں سے جا ملے جو دس دن تلاش کے بعد ہمارا ماتم کر چکے تھے۔ ہمارے ملاپ پر جیل میں ہی بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ میر پور کی اس جیل میں تقریباً آٹھ ہزار احرار رضا کار قید تھے۔ جیل کے عملے کے لیے قیدیوں کا انتظام ایک مشکل مسئلہ بن گیا۔ راشن ٹھیک نہ ملا تو قیدیوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کچھ قیدیوں کے ہمراہ مجھے اور میرے چند ساتھیوں کو گوبند پور جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ پتن سے تین میل دور کشمیری گوبند پورہ کے گھوڑوں کا اصطبل تھا۔ جسے اب ہماری جیل کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ یہاں پولیس نے پوری سختی شروع کر دی۔ ٹولیاں بنا کر رضا کاروں کو تھانے لے جاتی اور خوب پٹائی کرتی تا کہ وہ تحریک سے دستبردار ہو جائیں۔ جب پولیس کی کچھ پیش نہ چلی تو ایک دن ہمارے راشن میں زہر ملا دیا گیا۔ کھانے کے وقت پہلے ہی لقمے کے بعد رضا کاروں کی حالت خراب ہونے لگی۔ کچھ کانپنے لگے، کچھ کو خون کے دست اور قے شروع ہو گئیں۔ مجھے بھی ہسپتال پہنچا دیا گیا مگر میں ایسا سخت جان نکلا کہ جلد ہی اچھا ہو گیا۔ شہادت میرے نصیبوں میں نہ تھی یا شاید قدرت ابھی مجھ سے کچھ اور کام لینا چاہتی تھی۔ بہر حال ایک افراتفری پھیل گئی۔ جیل والے بھی گھبرا گئے۔ کیونکہ یہ خبر کسی طرح باہر نکل چکی تھی اور جلد ہی حکومت کی پوری مشینری حرکت میں آ گئی تھی۔ ہوتے ہوتے یہ خبر پورے ہندوستان میں آگ کی طرح پھیل گئی تھی اور بڑے بڑے لیڈر، احرار کے ڈکٹیٹر اور رضا کاروں کے عزیز و اقارب دوڑ پڑے۔ دریائے جہلم کے کنارے ہزاروں آدمیوں کا ہجوم اپنے مردے لے جانے کے خیال سے چارپائیاں لیے آ موجود ہوا۔ راشن امتحان

کے لیے لاہور بھیج دیا۔ اگلی صبح پتن جیل کے قیدیوں نے بغاوت کر دی، جیل توڑ کر باہر نکل آئے۔ پہاڑوں کے درمیان مسلسل اللہ اکبر کے نعروں سے عجیب سماں پیدا ہو گیا۔ جیسے یہ پہاڑ ابھی نعروں کی تاب نہ لا کر اپنی جگہ چھوڑ دیں گے۔ گورا پلٹن نے قیدیوں کو دوبارہ حراست میں لے لیا اور الگ الگ کوٹھڑیوں میں رکھا۔ کھانے کا بھی انتظام اچھا ہو گیا تھا۔ حکام اور لیڈروں کے درمیان گفتگو جاری تھی۔ مگر قیدیوں کو آپس میں ملنے جلنے کی اجازت نہ تھی۔ میرے ایک ساتھی غلام نبی جانباز نے جو جیل میں بھی نئی نئی شرارتیں کیا کرتا تھا۔ قیدیوں سے ملنے کی ایک نرالی ترکیب نکالی۔ اس نے جھاڑو اور ٹوکرہ لے کر تمام قیدیوں کی کوٹھڑی کا چکر لگایا۔ ایک سپاہی نے اس بھیس میں اسے دیکھ لیا تو افسر سے جا شکایت کی۔ ٹیلا رام جیل کا داروغہ تھا۔ اس نے ایک ہنٹر جانباز کے مار دیا۔ دوسرے وقت جب وہ گنتی کے لیے آیا تو میں نے پکڑ کر وہ ٹھکائی کی کہ توبہ ہی بھلی۔ جب بے ہوش ہو گیا تو اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ جیل میں تو طوفان کھڑا ہو گیا۔ تحقیقات ہوئی، قیدیوں پر سختیاں بھی ہوئیں مگر کسی نے یہ نہ بتایا کہ کس نے مارا ہے۔ جیل والے ہم سے تنگ تھے ہی، ہمیں قصور جیل منتقل کر دیا۔ اتنے میں رمضان شریف آ گیا۔ ہمیں حکم ملا تمام رمضان امن سے رہنا ہے۔ کیونکہ مجلس احرار کے لیڈروں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا داؤد غزنوی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، چودھری افضل حق، مولانا مظہر علی اظہر اور شیخ حسام الدین سے حکومت مصالحت کی گفتگو کر رہی تھی اور شرائط یہ تھیں کہ کشمیر میں مسجدیں واگزار کی جائیں اور آزاد اسمبلی قائم کی جائے۔ مسلمانوں پر کشمیر کی چراگاہیں کھول دی جائیں اور ان کے جانی اور مالی نقصانات کی تلافی کی جائے۔ بڑی حد تک سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ عید سے ایک دن پہلے تمام قیدیوں کے سفری ٹکٹ بن کر آ گئے اور قیدی رضا کارآبرومندانہ طریقے سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

(ماہنامہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' لاہور۔ جولائی ۱۹۶۵ء)

☆☆☆

حضرت ثُوَیبہ رضی اللہ عنہا
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں

ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی ندوی*

زمانہ قدیم سے رضاعت ایک مسلمہ سماجی روایت رہی ہے۔ کم ازکم اسلامی معاشرے میں اسے ہمیشہ سماجی قبولیت، تہذیبی استناد اور مذہبی اور قانونی تحفظ واحترام حاصل ہے، دوسرے معاشرے بھی اس سے خالی نہ تھے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ (نساء۔۲۳، قصص۔۷،۱۲، نیز بقرہ۔۲۳۳، حج۔۲، طلاق۔۶) اور بہت سی دوسری احادیث وروایات سے انسانوں کے مختلف سماجوں میں اس کے رواج کا ثبوت ملتا ہے۔ (بخاری، مسلم وغیرہ کی کتاب النکاح کے ابواب رضاعت یا خاص کتاب الرضاع، کتب سیرت وتاریخ اسلامی کے مختلف ابواب، خاکسار کا مضمون ''عہدِ نبوی میں رضاعت'' معارف اعظم گڈھ ۱۹۹۶ء، جون ۴۰۵۔۴۲۴، جولائی ۵۔۲۲)

انبیائے کرام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رضاعت کا ذکر قرآن مجید نے سورۂ قصص میں کیا ہے۔ خاتم المرسلین وسید الانبیاء حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کا ثبوت حدیث وسیرت سے ملتا ہے، نبوی شرائع اور اسلامی سماجی نظام میں رضاعت کو ایک صحیح، محبت آگیں اور اسلامی رشتہ سمجھا گیا ہے۔ اسلام کے دین وشریعت میں یہ سماجی نظام اور تہذیبی طریق حضرات ابراہیم واسماعیل (علیہما السلام) کے زمانہ سے مستحکم تھا۔ دین ابراہیمی۔ اسماعیلی کی اور بہت سی سماجی روایات اور اسلامی تہذیبی اقدار کی مانند رضاعت بھی جاہلی عربوں میں آئی۔ جاہلی عرب میں رضاعت کی سماجی قدر اتنی مستحکم تھی کہ وہ تمام اشراف وطبقات کا ایک طرۂ امتیاز بن گئی تھی۔ حتیٰ کہ غرباء بھی اس کو اپنانے کی کوشش کرتے تھے اور لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی بھی رضاعت ہوتی تھی، ان کو شہر مالوف میں بھی مرضعات (دودھ پلائیوں) کے سپرد کر دیا جاتا تھا اور باہر بالخصوص دیہات میں بھی رضاعت کے لیے بھیجا جاتا تھا، جاہلی عرب میں اس کا جتنا چلن تھا شاید کسی اور معاشرہ میں اتنا رواج نہیں رہا۔

رضاعتِ نبوی:

عرب جاہلی کی تہذیبی روایت کے مطابق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کا بھی خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ اوّلین رضاعت کے بارے میں ایک اور مستحکم اور مسلمہ روایت یہ بھی رہی تھی کہ وہ نومولود کی ماں ہی کرتی تھی۔ رسولِ اکرم

* ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، انڈیا

صلی اللہ علیہ وسلم کے باب خاص میں بہت وضاحت کے ساتھ آتا ہے کہ ولادت کے بعد والدۂ ماجدہ نے ہی دودھ پلایا تھا۔ اسلامی راویوں نے اس نکتہ پر بڑا زور دیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن وجوف مبارک میں جانے والی اوّلین غذا ماں کا دودھ ہی تھی اور اس کے بعد دوسری دودھ پلائی حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا (ثُ وے ب ہ) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ مکہ میں پلایا تھا اور خاص بدوی اور اصل مرضعہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تھیں جنھوں نے پوری مدتِ رضاعت میں یہ کامل سعادت پائی تھی۔ بعض دوسری مرضعات عالیہ کا ذکر بھی ملتا ہے اور استقصا نگاروں نے نبوی دودھ پلائیوں کے باب میں بہت سی روایات جمع کر کے ان کی تعداد میں غلو ومبالغہ تک کو روا رکھا ہے، بہر حال اوّلین مرضعہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں، اس مقالہ میں انھیں خاتون گرامی کے بارے میں ایک تحقیقی تجزیہ پیش کرنا مقصود ہے۔

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہمارے قدیم وجدید سیرت نگاروں نے بہت کم لکھا ہے۔ مولانا شبلیؒ نے ایک مختصر فقرہ لکھا ہے کہ ''اور دو تین روز کے بعد ثویبہ نے دودھ پلایا''، ان کی سیرت کے جامع گرامی سید سلیمان ندویؒ نے قوسین میں اضافہ کر دیا (جو ابولہب کی لونڈی تھی) اور حاشیہ میں بخاری ''**باب یحرم من الرضاعة مایحرم من النسب**'' کا حوالہ دے دیا (سیرت النبی ۱۔۱۷۲) قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے ''ایام رضاعت'' کو اتنا مختصر کیا کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہی نہیں کیا (رحمۃ اللعالمین ۱۔۴۱)، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے بھی صرف ایک جملہ میں کام تمام کر دیا (السیرۃ النبویۃ، ۱۰۰ ''ارضعتہ ثویبۃ جاریۃ عمہ ابی لہب بضعۃ ایام'')، مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ نے نسبتاً دو تین جملوں میں بات پوری کی ہے جن میں رضاعتِ نبوی کے ساتھ ساتھ بعض اور رضاعتوں کا ذکر ہے مگر وہ قابل بحث ہے، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ان سیرت نگاروں میں ہیں جن کے ہاں کچھ زیادہ تفصیل ہے۔

(الرحیق المختوم، ۵۵، سیرت المصطفیٰ ۱۔۶۸۔۶۹، سیرت سرورِ عالم ۲/۹۵۔۹۶)

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اوّلین مرضعہ (دودھ پلائی، رضائی ماں) کا حق تھا کہ ان پر زیادہ توجہ دی جاتی۔ حیرت کی بات ہے کہ بے اعتنائی یا کم توجہی کا شکوہ محققین سیرت نگاروں اور جدید تاریخ دانوں سے زیادہ ہے۔ ہمارے قدیم سیرت نگاروں اور دوسرے صاحبانِ علم وفضل کی کتابوں، روایتوں اور بحثوں میں کہیں زیادہ مواد ان کے بارے میں ملتا ہے۔ بلاشبہ بعض جدید سیرت نگاروں نے خاصی روایات نقل کی ہیں اور حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں مگر روایات کا تجزیہ اور تنقیدی مطالعہ ان کے ہاں بھی مفقود ہے۔ غالباً اس کی وجہ ان کی اختصار پسندی اور روایت پرستی تھی۔ ان پر کسی قسم کا الزام عائد کرنا مقصود نہیں ہے لیکن روایات کے تحلیل وتجزیے سے گریز کرنا اور آنکھ بند کر کے روایات نقل کر دینا بھی کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے۔ بالخصوص کسی ایک قسم کی روایت پر تکیہ کر کے ایک عوامی قسم کا رویہ اپنا لینا۔ یہاں ان محترم ومکرم سیرت نگاروں کی تمام بحثوں کا تنقیدی تجزیہ کرنا بھی مطلوب نہیں ہے۔ کیوں کہ ان پر تنقیدی نظر اگلے مباحث میں ڈالی جاتی رہے گی مگر ایک آدھ مثال اس روایت پرستی کی دینی ضروری ہے تاکہ بات مستند ہو جائے۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ کی اردو کتاب میں ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے بعد سب سے پہلے ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا۔ اس وقت اس کی گود میں جو بچہ تھا اس کا نام مسروح تھا۔ ثویبہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا۔(۶) (الرحیق المختوم اردو، علی گڑھ، ۱۹۸۸ء، ۸۴ بحوالہ تلقیح الفہوم، ص۴، مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ، ص۱۳)، اپنی اصل عربی تصنیف میں یہی بات عربی میں اوّلین فقرے میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ لکھی ہے اور یہی حوالے ہیں (الرحیق المختوم، الریاض ۱۹۹۷ء، ص ۵۵) یہ تمام حوالے بہت متاخر کتابوں کے ہیں اور اصل، قدیم حدیث وسیرت کی کتابوں سے گریز کیا گیا ہے پھر ان میں تحلیل ہے اور نہ تجزیہ۔ اور یہ صرف مولانا مبارک پوریؒ کا معاملہ نہیں ہے۔ بہت سے روایتی علماء اور سیرت نگاروں کا بھی ہے۔ مولانا علی میاںؒ نے رضاعت ثویبہ (رضی اللہ عنہا) کے لیے سرے سے کوئی حوالہ ہی نہیں دیا اور قاضی منصور پوریؒ نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا۔

نام ونسب:

سب سے زیادہ حیرت انگیز اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے نام ونسب پر کوئی بحث نہیں ملتی۔ نہ قدیم روایات میں نہ جدید مطالعات میں۔ صرف ان کا نام اور ابولہب بن عبدالمطلب ہاشمی سے ان کا رشتہ ملتا ہے، یہ بھی خاصی فکر انگیز بات ہے کہ حضرت ثویبہ کا نام بھی پورے اسلامی سیرتی وسوانحی ادب میں بے مثال وتنہا ہے، کسی بھی خاتون مکرمہ کا نام ثویبہ نہیں ملتا۔ ان کے نسب کے بارے میں تو ایک لفظ بھی کسی قدیم روایت میں نہیں آیا ہے۔ ان کا نام نامی ثویبہ کے حتمی ہونے کی قطعی شہادتیں حدیث وسیرت اور تاریخ اسلامی کی متعدد روایات دیتی ہیں، ان کی تعداد یوں تو بہت زیادہ ہے لیکن بنیادی مآخذ حدیث وسیرت بخاری، مسلم، ابن سعد اور واقدی ہی ہیں، بعد کے محدثین کرام اور سیرت نگاروں نے ان ہی سے تمام روایات لی ہیں، لہٰذا وہ ثانوی مقام ومرتبہ کے مآخذ بن جاتے ہیں۔ (واقدی بحوالہ ابن سید ۱/۱۰۸۔ ۱۱۰، بحوالہ ابن سید الناس ۱/۴۷۔۴۸ بحوالہ بخاری، حدیث: ۵۱۰۱ نیز دیگر، فتح الباری، ۹/۱۷۵، ۱۹۸۔۱۹۹، مسلم کتاب الرضاع، باب یحرم من الرضاعۃ مایحرم من الرحم، حدیث [۱۵][۱۴۴۹]، نووی، المنہاج ۱۰/۲۲۔۲۳، ابن سعد ۱/۱۰۸۔۱۱۰)

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا نسب جس طرح مجہول ہے، اسی طرح ان کے شوہر کا نام ونسب نامعلوم ہے۔ قدیم وجدید مصادر میں سے کسی نے بھی ان کے شوہر کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہے، ممکن ہے کہ کسی کم معروف مآخذ میں ان کا ذکر خیر ہو لیکن ہمیں ابھی تک دستیاب نہیں ہوسکا۔ بہرحال یہ پوری بحث ابھی تک تحقیق طلب ہی ہے۔ ان کی اولاد میں صرف ایک جناب مسروح بن ثویبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ضرور ملتا ہے اور وہ بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے، غالباً کیا یقیناً جناب مسروح کا ذکر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والدہ ماجدہ کے دودھ میں شرکت کے باعث محفوظ رہ گیا۔ یہ بھی ایک معجزۂ نبوی ہے کہ اسی کے سبب ان کا نام ونشان تو باقی ہے ورنہ دوسری اولاد حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی مانند وہ

بھی صفحۂ ہستی اور صفحۂ تاریخ دونوں سے مٹ گیا ہوتا، اس پر مزید بحث رضاعتِ ثویبہ (رضی اللہ عنہا) کے ضمن میں آئے گی۔

خاندانِ نبوت سے ربط وتعلق:

روایات سیرت کے تنقیدی تجزیے سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا خاندان بنوعبدالمطلب ہاشمی سے تعلق تھا اور گہرا تعلق تھا اور اسی وسیع تر تعلق وربط نے ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے متعارف کرایا تھا۔ مآخذ کا اتفاق ہے کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا ابولہب بن عبدالمطلب ہاشمی کی ایک باندی رہی تھیں۔ خاندان ابولہبی سے ان کے رشتہ وتعلق کی نوعیت پر ایک مختصر بحث ذرا بعد میں آتی ہے۔ کیوں کہ اس کی کئی جہات ملتی ہیں، بہرحال ابولہب ہاشمی سے ان کی وابستگی کے سبب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ ماجدہ کے پاس ان کا آنا جانا لگا رہتا تھا، یہ محض قیاس نہیں ہے بلکہ روایات سیرت وحدیث میں اس سے متعلق ایک اہم حقیقت ملتی ہے جو بہت دلچسپ ہے۔

اگرچہ اس کی تفصیل وتشریح نہیں ملتی مگر ایک مختصر فقرے نے اس رشتہ وتعلق کا بھرم قائم کیا ہے۔ ان کی آزادی کے حوالے سے ذکر خیر ملتا ہے کہ ابولہب ہاشمی نے ان کو اس وقت آزادی عطا کردی تھی، جب حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی بشارت اپنے مالک وآقا کو جا کر سنائی تھی ''.....**وقد أعتقها حين بشرته بولادته صلى الله عليه وسلم** .....'' روایات میں اور دوسری چیزیں بھی ہیں جن کا ذکر بعد میں ان کے آزادی کے وقت وموقع پر آئے گا مگر اس فقرے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا ولادتِ نبوی کے وقت جناب آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھیں اور ولادت نبوی کے معاً بعد ہی انھوں نے سب سے پہلے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشخبری اسے جا کر سنائی تھی، اسی اوّلین خوشخبری کے سبب ابولہب ہاشمی کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس نے باندی کو آزادی بخش دی، غلاموں، باندیوں کی آزادی کے احوال وعوامل میں سے ایسی ہی خوش خبریاں بھی شامل ہوتی تھیں اور وہ صحیح سماجی روایات بھی ہیں، اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ جناب ثویبہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور والدۂ ماجدہ کے پاس آتی جاتی رہتی تھیں اور رضاعتِ نبوی کے واقعہ سے زیادہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی کی رضاعت سے اس کی تصدیق مزید ہوتی ہے۔

رضاعتِ ثویبہ (رضی اللہ عنہا) کا تسلسل:

حدیث وسیرت کی روایات نے بلاشبہ یہ ثابت کیا ہے کہ جناب ثویبہ رضی اللہ عنہا نے قریش اور مکہ مکرمہ کے متعدد خاندانوں کے کئی افراد ورجال کی رضاعت کی ذمہ داری سنبھالی اور نبھائی تھی اور یہ مادرانہ خدمت تسلسل کے ساتھ انجام دی تھی، مختلف روایات میں الگ الگ نام واشخاص ملتے ہیں جن کی رضاعت کا فریضہ انھوں نے مختلف اوقات میں ادا کیا تھا۔ مآخذ کی روایات بسا اوقات ایک ہی سانس او رایک ہی سلسلہ کلام میں ان کے رضاعی فرزندانِ گرامی کا ذکر کردیتی ہیں، ان سے بالعموم الجھن، ابہام اور انتشار پیدا ہوتا ہے، بالخصوص زمانی اور تاریخی ترتیب کے بارے میں،

لہٰذا تاریخی پس منظر میں ان کا ذکر کرنا ضروری ہے، اس سے بعض محدثین کرام کی توجیہات اور بعض سیرت نگاروں کی تاویلات کا بھرم بھی کھل جائے گا، کیوں کہ انھوں نے صحیح تاریخی پس منظر کا لحاظ نہیں کیا ہے۔

۱۔ رضاعتِ حضرتِ حمزہ رضی اللہ عنہ:

زمانی ترتیب اور تاریخی تنظیم وتوقیت کے اعتبار سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی کی رضاعت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر سب سے پہلے آنا چاہیے مگر وہ رضاعتِ نبوی کے ضمن میں بہ طور حاشیہ آتا ہے، بہر حال روایات کا اتفاق ہے کہ خاندان بنوعبدالمطلب قریش میں زمانی اعتبار سے سب سے پہلے حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی کو دودھ پلایا تھا، پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک اور مکی قریشی حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کو اپنی رضاعت کا شرف بخشا تھا۔ ان تینوں رضاعتوں کا ذکر بالعموم ایک ہی روایت میں رضاعت نبوی کے حوالے سے آتا ہے: ''**وکانت ثویبہ ، مولاۃ ابی لھب بن عبدالمطلب ، ارضعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایاماً ، قبل ان تاخذہ حلیمۃ ، من لبن ابن لھا یقال لہ مسروح، وارضعت قبلہ حمزہ بن عبدالمطلب ، وارضعت بعدہ اباسلمۃ بن عبدالاسد المخزومی.....**'' ابن سعد ۱/۱۰۸۔۱۱۰، بلاذری ۱/۹۴، ابن سید الناس ۱/۴۷۔۴۸، حلبی ۱/۸۵۔۸۸، طبری ۲/۱۵۷۔۱۵۸ پر ایک سند خاص سمیت یہی رضاعت ثویبہ کی روایت ہے جس میں ایک اہم چیز ہے جس پر بحث حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے سماجی مقام پر آتی ہے۔

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے خاندان بنو ہاشم میں سب سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی رضاعت کی تھی، اس کی تائید دوسرے بیانات، روایات، شواہد اور قرائن وغیرہ سے بھی ہوتی ہے، جن کا ذکر ابھی آتا ہے۔ اب مسئلہ ہے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی رضاعت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی ٹھیک توقیت کا۔ کیوں کہ روایات کا اس میں اختلاف ہے، ان کا تعلق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف سے ہے۔ کیوں کہ اسلامی شریعت اور دین ابراہیمی کی شریعت میں رضاعت کی مدت نومولود کی اوّلین دوسالہ زندگی تک ہی محدود ہے۔ دوسال کی عمر سے زیادہ کی مدت قابل لحاظ نہیں۔ (بخاری، کتاب النکاح، باب من قال: لا رضاع بعد حولین.....(البقرۃ:۲۳۳) الخ؛ فتح الباری ۹/۱۸۳۔۱۸۴؛ ابن حجرؒ نے تمام اکابر فقہا کے اقوال اور آیت کریمہ مذکورہ کی تفسیرات بھی نقل کی ہیں، دوسری کتب حدیث سے اسی حکم کی احادیث بھی پیش کی ہیں)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے حوالے سے ہی متعین ہوتی ہے اور خوب ہوتی ہے کہ اصل تو وہی معیارِ حق ومعیارِ تعیّن ہے ''اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است'' کا ایک معنی تو یہ بھی ہے، تقابلی تفاوتِ عمر وسن کے بارے میں دو اختلافی روایات ملتی ہیں:

(الف) مشہور ومقبول عام روایت تو یہ ہے کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے عمر میں چار سال بڑے تھے، متعدد ماہرین انساب اور سیرت نگاروں اور سوانح نویسوں نے اسی کو قبول اور بیان کیا ہے: ''کان حمزۃؓ .....اسن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باربع سنین'' (ابن سعد سوم، ۱۰ نے اسی عمر کو قبول و بیان کیا ہے، ابن عبدالبر، الاستیعاب، بحوالہ حلبی ۱/۸۵ اور غزوۂ احد ۳/۶۲۵ میں شہادت کے وقت ان کی عمر ۵۹ سال بتائی ہے، بلاذری ۱/۹۷ ''.....تزوج عبدالمطلب ہالۃ بنت اہیب بن عبدمناف بن زہرق وہی ام حمزہ ابن عبدالمطلب ولدتہ قبل مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باربع سنین اونحوہا''؛ بلاذری نے عبدالمطلب ہاشمی اور ان کے فرزند عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی کی شادیوں کو دو الگ الگ زمانوں میں ہونے کی بات کہی ہے، جب کہ ابن اسحاق وغیرہ کا عام خیال ہے کہ پدر و فرزند دونوں کی شادیاں ایک ہی مجلس میں ہوئی تھیں، یہ بھی ایک قابل بحث و تحقیق طلب معاملہ ہے۔

(ب)　دوسری روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سن صرف دو سال سن نبوی سے زیادہ تھا ''انہ کان اسن من رسول اللّٰہ بسنتین'' اسد الغابہ، اصابہ ۱۸۲۶۔

ہمارے بعد کے علماء و فقہا اور ماہرین کے علاوہ سیرت نگاروں کا معاملہ بھی خاصا دلچسپ اور کافی معنی خیز ہے، ان کے بھی دو طبقات بن گئے ہیں اور وہ اپنی فکر و پسند کے مطابق ان دو اختلافی تاریخوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتے ہیں۔ دراصل ان کو اپنا ایک خاص نظریہ اور مخصوص مسئلہ ثابت کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی پسندیدہ تاریخ کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیتے ہیں اور ان کے لیے عقلی دلائل بھی دیتے ہیں۔ خواہ ان کے نتیجے میں بعض غیر منقول نتائج کیوں نہ نکل آئیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سن شریف سے اس کے دو سالہ/ چار سالہ تفاوت پر ان کی فکری کاری گری بھی کافی معنی خیز ہے اور مطلب انگیز تو وہ ہے ہی۔

بعض متاخر سیرت نگاروں کا زور اس بحث پر ہے کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا۔ لہٰذا ان کی عمر دو سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ جناب مسروح بن ثویبہ رضی اللہ عنہ کے دودھ میں یا رضاعت میں شرکت صرف دو سال کے اندر ہی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک سے صرف دو سال زیادہ تھی۔ دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ چار سال تک حضرت مسروح کی رضاعت کا دودھ باقی نہیں رہ سکتا تھا۔ لہٰذا ان کی عمر صرف دو سال زیادہ تھی۔ امام برہان الدین حلبیؒ (۹۷۵/ ۱۵۶۷۔۱۶۳۴: اصل نام علی بن ابراہیم بن احمد بن علی بن عمر قاہری شافعی ہے لیکن وہ برہان الدین حلبی کے لقب و کنیت سے مشہور ہیں) نے اسی دلیل کے سبب چار سال کے تفاوت والی روایت قبول نہیں کی بلکہ امام ابن عبدالبر کی روایت پر سخت نقد کیا ہے، دو سال عمر کی روایت کو ترجیح دینے والے اور بھی کئی سیرت نگار قدیم و جدید دونوں ہی ہیں۔ (حلبی ۱/۸۵؛ دار احیاء التراث العربی، بیروت (غیر مؤرخہ)

اس دلیل و منطق کی تردید روایات اور دلائل دونوں سے ہوتی ہے، دراصل اس کی بنیاد ہی غلط ہے، روایات

سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دودھ پلایا تھا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا، یہ دو زمانوں (زمانین) کا معاملہ نہیں ہے، جیسا کہ امام حلبی وغیرہ کو سمجھنے میں زحمت ہو رہی ہے بلکہ تین زمانوں کا معاملہ ہے جیسا کہ بعد میں مزید بحث آتی ہے پھر جس روایت کی بنا پر رضاعت ثویبہ رضی اللہ عنہا میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت میں شرکت کی بنیاد اٹھائی گئی ہے۔ وہ بات اور روایت ہی دوسری ہے، وہ دراصل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی برادر اور رضاعی اخوت کے شرف کا معاملہ ہے جس میں یہ دونوں بزرگ شریک تھے۔ اس کا یہ قطعی مفہوم نہیں ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ ایک تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ امام حلبیؒ وغیرہ نے رضاعت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے دو مختلف زمانوں کا معاملہ تو اٹھایا مگر حضرت ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ کی رضاعت کے مختلف یا متفقہ زمانے کی بات نہیں چھیڑی، دوسرے بعض رضاعی برادروں کا تو خیر ان کو اس بات میں علم ہی نہیں تھا اور تھا بھی تو وہ اسے تجزیاتی تناظر میں نہیں لا سکے۔ ان تمام رضاعتوں پر بحث آگے آتی ہے۔

بہرحال حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ کی رضاعت حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ اہم حقیقت سامنے آتی ہے کہ خاندان ہاشمی میں وہ اوّلین رضاعت ثویبہ رضی اللہ عنہا تھی، خواہ اسے چار سال قبل رضاعتِ نبوی سمجھا جائے، خواہ دو سال قبل گردانا جائے، اس طرح بالترتیب اس کا زمانہ ۵۶۷ یا ۵۶۹ سنہ عیسوی میں متعین ہوتا ہے اور سیرتی زبان میں عام الفیل سے چار سال قبل یا دو سال پہلے کی ولادت و رضاعت نبوی کا سن عام الفیل ہے، یہ قیاس کرنا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے قبل کسی اور ہاشمی یا مکی کو رضاعت ثویبہؓ کے حوالے سے رضاعی اخوت نبوی کا شرف ملا تھا، ناممکن ہے کیوں کہ روایات میں اس کا کوئی عندیہ نہیں ملتا۔ امکان بہرحال ہے لیکن خاصا موہوم، اگر ایسا ہوتا تو کسی نہ کسی شخصیت کے اس طرۂ امتیاز کا حوالہ ضرور آتا، جیسا کہ بعد کی بعض شخصیات کے حوالے سے آتا ہے۔

حدیثی مآخذ بالخصوص بخاری، مسلم وغیرہ امہات الکتب میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی رضاعت کا ذکرِ خیر ان کی دختر نیک اختر حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کی تجویز کے ضمن میں آتا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجویز حضرت علیؓ بن ابی طالب ہاشمی نے رکھی تھی اور بعض میں تجویز کا ذکر صیغہ مجہول کے ساتھ آتا ہے، جیسا کہ حدیث بخاری.....۵۱ میں ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے''.....**عن ابی عباس قال: قیل للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ألاتتزوج ابنة حمزة؟ قال: انها ابنة اخی من الرضاعة.....** ''اس حدیث نبوی کے متن میں رضاعی ماں کا واضح ذکر نہیں ہے، شارحین حدیث بالخصوص امام ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی تشریح میں پہلے تو حدیث مسلم نقل کی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہ طور تجویز کنندہ بتاتی ہے، پھر رضاعی رشتہ کی حرمت اور اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہ طور تجویز کنندہ بتاتی ہے، پھر رضاعی رشتہ کی حرمت اور اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی واقفیت اور عدم آگاہی کے مسئلہ سے بحث کی ہے اور پھر چند دوسرے مسائل کے بعد

رضاعت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسئلہ کی گرہ کھولی ہے۔انھوں نے ماہرین نسب قریش کے سرخیل مصعب زبیری کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا تھیں، جن کا ذکر اگلی حدیث بخاری۔ ۵۱۰۰۱ میں آیا ہے کہ انھوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دودھ پلایا تھا اور آپ کے بعد حضرت ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ کی رضاعت کی تھی۔ بنتِ حمزہ رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں اختلاف علماء کا ذکر کیا ہے کہ سات اقوال ملتے ہیں، امامہ، عمارہ، سلمٰی، عائشہ، فاطمہ، امۃ اللہ اور یعلی۔قول مزی میں ان کا ایک نام ام الفضل بھی ملتا ہے لیکن وہ بقول ابن بشکوال ان کی کنیت تھی جیسا کہ ظاہر ہے، (فتح الباری ۹/۱۷۵۔۱۷۸) جمہور سیرت نگاروں نے ان کے نام میں امامہ رضی اللہ عنہا کو ہی ترجیح دی ہے بلکہ اسی نام سے ان کا تذکرہ لکھا ہے۔(ابن سعد ۸/۳ ومابعد: ''.....**وامامة بنت حمزة و امها سلمى بنت عميس ، اخت اسماء بنت عميس الخثعمية**.....'')

یہ بات خاصی اہمیت کی حامل ہے کہ احادیث بخاری ومسلم وغیرہ میں بالعموم حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صراحت نہیں ملتی ہے۔اگر چہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہونے کی شہادت زبان نبوی سے ملتی نظر آتی ہے، حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی رضاعتِ حمزہ رضی اللہ عنہ کا ذکر سیرتی روایات واخبار پر مبنی ملتا ہے حتیٰ کہ شارحین حدیث کو بھی ان ہی روایات پر تکیہ کرنا پڑا۔

۲۔ابوسفیان بن حارث ہاشمی رضی اللہ عنہ کی رضاعت:

امام حلبیؒ نے حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت اکابر کے تسلسل کے ضمن میں ایک اور نئی بات کہی ہے۔ان کا واضح بیان ہے کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی رضاعت کی، پھر حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا جو آپ کے ابن عم تھے، پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کی سعادت پائی اور پھر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا'' .....**فقد ارضعت ثويبه حمزة ، ثم اباسفيان ابن عمه الحرث ، ثم رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم اباسلمة**.....''(۱/۸۵)،اس طرح تسلسل سے چار اکابر بنی ہاشم کی رضاعت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ملتا ہے۔اگر چہ مؤخر الذکر مادری نسبت سے ہاشمی تھے۔

حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ کے والد حارث اپنے والد ماجد عبدالمطلب کے فرزند اکبر تھے لیکن اپنے والد گرامی کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ان کا انتقال عام الفیل سے پانچ سال قبل ہو گیا تھا یعنی ۵۶۶ء کے قریب، اس وقت ان حارث ہاشمی کے بڑے فرزند ربیعہ بن حارث ہاشمی تھے جو دو سال کے تھے اور ان کی عمر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سات سال زیادہ تھی۔ ماہرین نسب وسیرت کے مطابق حضرت ابوسفیان بن حارث ہاشمی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر بھی تھے اور مشابہ بھی۔مؤلف سیرت شامی (محمد بن یوسف، م ۹۴۲/۱۵۳۵) نے وضاحت کی ہے کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آپ کے ابن عم ابوسفیان کی رضاعت بھی کی تھی۔(حلبی، ۱/۸۵: ''.....وفی السیرۃ الشامیۃ.....**وقد كانت ارضعت قبله اباسفيان ابن عمه صلى الله**

علیہ وسلم الحرث وفی کلام بعضهم کان تربا له و کان یشبهه......'' ۱/۵۳۹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشبہین میں ان کا ذکر کر کے ان کا نام مغیرہ لکھا ہے نیز بلاذری ۱/۸۷۔۸۰ برائے نسب وسوانح حارث بن عبدالمطلب ہاشمی)

بلاذری اور بعض دوسرے سیرت نگاروں نے حضرت ابوسفیان بن حارث ہاشمی رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی بھائی تو مانا ہے مگر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت اتفاقی کے رشتہ سے اور یہ روایت بلاذری مجروح انداز سے بیان کی گئی ہے ''ویقال ان اباسفیان کان اخا النبی صلی الله علیه وسلم من الرضاع ارضعته حلیمة ایاماً ۔'' (بلاذری ۱/۳۶۱؛ اسد الغابہ ۵/۲۱۳: ''...... وکان اخاالنبی صلی الله علیه وسلم من الرضاعة ارضعتهما حلیمة بنت ابی ذؤیب السعدیة......'')

(۳) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعتِ ثویبہ رضی اللہ عنہا:

زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے خود ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کا شرف پایا تھا۔ دوسری احادیث وروایات سیرت اس حقیقت کو مزید ثابت کرتی ہیں اور اسے ایک حقیقت واقعہ میں تبدیل کر دی ہیں۔ لہٰذا ابن اسحاق/ابن ہشام کی سیرت نبوی کی تحقیق کرنے والے مرتبین گرامی کی مانند رضاعتِ ثویبہ رضی اللہ عنہ کو ایک مرجوح روایت یا ضعیف حدیث بیان کرنے والوں کا طریقہ اور انداز بے جا تقشّف اور غیر محتاط رویے کے ضمن میں آتا ہے۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، مرتبہ مصطفی السقاء، ابراہیم الابیاری، عبدالحفیظ شبلی، قاہرہ ۱۹۵۵ء، ۱/۱۶۱، حاشیہ: ۶ میں رضاعتِ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کو لفظ ''ویقال'' سے بیان کیا ہے جو اس کی تضعیف و مرجوحیت کی علامت ہے)

بخاری اور مسلم اور بعض دوسری احادیث میں متعدد روایات بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیان وحی آثار میں فرمایا کہ ''مجھے......ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔'' ''ارضعتنی ......ثویبه''، یہ روایات واحادیث بالعموم رضاعت کی حرمت کے باب میں آئی ہیں لہٰذا ان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور رضاعی برادر حضرت ابوسلمہ مخزومیؓ کا بھی حوالہ ہے، پورا متن ہے ''......ارضعتنی و اباسلمةثویبه......'' امام بخاری نے حسب دستور اس کے کئی اطراف دیئے ہیں (بخاری، کتاب النکاح، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب، حدیث: ۵۱۰۱، اطراف حدیث: ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، ۵۱۲۳، ۲، ۵۳۷۲؛ فتح الباری ۵/۱۷۵، ۱۹۸۔۱۹۹، ۲۲۰ و مابعد نیز دیگر جلدیں؛ مسلم، کتاب الرضاع، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من الرحم ؛ حدیث[۱۵] (۱۴۴۹) نیز (۱۶)؛ نووی المنہاج ۱۰/۲۲۔۲۳؛ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب ما یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب، حدیث: ۲۰۵۶ نیز فتح الباری ۹/۸۰: امام طبرانی کی روایت برائے رضاعت حضرت ابوسلمہ مخزومیؓ ''ان اباها اخی من الرضاعة'')

(جاری ہے)

بائیس رجب کے کونڈے، عید بابا شجاع اور عیدِ غدیر

حضرت مولانا محمد نافع مدظلہ (محمدی شریف، جھنگ)

ذیل کا مضمون گزشتہ شمارے میں شائع ہوا۔ حضرت مولانا محمد نافع مدظلہ نے بعض اغلاط کی تصحیح فرمائی ہے۔ قندِ مکرر کے طور پر اسے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

یہ ایک قدیم طریقہ چلا آیا ہے کہ ہر دور کے معاشرہ میں کچھ رسومات اور عادات جاری ہوتی ہیں اور لوگ انہیں ایک کارِ خیر کے طور پر ادا کرتے ہیں اور اسی میں اپنی فلاح سمجھتے ہیں۔ اسلام نے اس نوع کی دُور از صواب رسوم سے منع کیا ہے اور ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ روافض نے ان بے سر و پا رسوم کو خوب رواج دے رکھا ہے اور قوم میں نشر کر دیا ہے اور عوام میں انہیں حصول ثواب کا باعث قرار دیا ہے۔

درحقیقت وہ تقریبات ایک دیگر مقصد کے پیشِ نظر قائم کی جاتی ہیں اور ان میں سے بعض میں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عناد و عداوت پورا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور اسی غرض فاسد کے پیشِ نظر انہیں سرانجام دیا جاتا ہے۔ مثلاً ماہ رجب کی بائیس تاریخ کو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے کونڈے پکائے جاتے ہیں اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ امام صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحہ خوانی کے طور پر برائے ایصال ثواب یہ کونڈے کیے جا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ چیز سو فیصد غلط اور دورغ گوئی ہے۔ رسم ہذا کے بجالانے کا مقصد ہی دوسرا ہے۔ دراصل ۲۲ رجب ۶۰ھ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ کاتبِ وحی ہیں اور ملت کے عظیم کارنامے بجالانے والی شخصیت ہیں۔ دین کو ترقی اور فروغ دینے میں ان کا اہم مقام ہے جو اعدائے صحابہ کو سخت ناگوار ہے۔ اسی لیے ان کی وفات کی خوشی میں یہ کونڈوں کی تقریب منعقد کی جاتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت رمضان المبارک ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں علماء تراجم نے لکھی ہے اور ایک دیگر قول کے مطابق آں موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ بیان کی جاتی ہے۔ علمائے رجال نے آں موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات ۱۵ شوال ۱۴۸ھ تحریر کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بائیس رجب کی تاریخ نہ تو امام صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ولادت ہے اور نہ ہی تاریخ وفات ہے۔ لہٰذا ان کے نام پر کونڈوں کی رسم قائم کرنا محض خدع اور دھوکہ بازی ہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر خوشی منانے کے لیے عجیب طریقہ سے فریب

کاری کی جاتی ہے۔ نیز ماہ رجب کے کونڈوں کی ایجاد کے متعلق واضح ہو کہ مشہور رافضی شاعر و مدح گو اور موجد مراثی ''امیر مینائی'' کے لڑکے ''خورشید مینائی'' رافضی نے ۱۹۰۶ء میں بائیس رجب والے کونڈوں کی رسم کی ابتدا کی تھی۔

اس کے بعد والیٔ ریاست رام پور (بھارت) نواب حامد علی خان نے اس رسم کی اشاعت اور فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس سے قبل پاک و ہند میں اس رسم کا رواج نہیں تھا۔ بھارت میں اور پاکستان کے صوبہ پنجاب کے مختلف اضلاع میں اس قبیح رسم کا رواج پایا جاتا ہے۔ ناواقف احباب اور کم علم دوستوں کے لیے یہ چند سطور درج کر دی ہیں۔ اہل علم حضرات ان چیزوں سے خوب واقف ہیں۔

اسی طرح اعداء صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک رسم ''عید بابا شجاع'' کے نام سے قائم کی ہوئی ہے۔ غالباً دیسی مہینہ ''ہاڑ'' کی کسی تاریخ کو وہ عید منعقد کی جاتی ہے۔ وہ تاریخ ان کے ہاں عید کا یوم اور خوشی کا روز ہوتا ہے۔ اور بڑی دھوم دھام سے خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یومِ شہادت (جو کہ یکم محرم ۲۴ھ ہے) پر یہ تقریب بصورت عید قائم کی جاتی ہے۔ اور ''بابا شجاع'' سے مراد ابولؤلؤ (فیروز نامی) ایرانی نژاد وہ شخص ہے جس نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ تقیہ اور توریہ کے طور پر یہ لوگ اسے ''بابا شجاع'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دراصل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں یہ عید قائم کی جاتی ہے۔ یہ ان کے لیے باعث مسرت ہے۔

ایک اور رسم بھی ان کے ہاں مروّج ہے اور بڑے شاندار طریقہ سے منائی جاتی ہے۔ اس کا نام ''عید غدیر'' تجویز کیا ہوا ہے۔ غدیر مقام جحفہ کے قریب ایک تالاب تھا جسے غدیرِ خُم کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ یہ مقام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع تھا۔

عوام میں یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ۱۸/ ذوالحجہ ۱۰ھ کے روز جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ''غدیر'' کے مقام پر منصب ''خلافت و امامت'' عطا فرمائی اور ''دستار خلافت'' حضرت علی المرتضیٰ کے سر مبارک پر رکھی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ تمام خوشیاں منائی جاتی ہیں اور ''عید غدیر'' قائم کی جاتی ہے۔ حالانکہ اس عید کی حقیقت یہ ہے کہ اس تاریخ (۱۸/ ذوالحجہ ۳۵ھ) کو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو مخالفین نے ظلماً شہید کر دیا تھا۔ چنانچہ آں موصوف رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں یہ تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔

(تحفہ اثنا عشریہ، از شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تحت باب نہم در احکام فقیہ، ص ۲۴۷) طبع سہیل اکیڈمی، لاہور

یہ چند ایک رسومات کو بطور نمونہ کے بیان کیا گیا ہے۔ اس نوع کی رسومات ان کے ہاں بہت سی جاری ہیں..... حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عداوت پوری کرنے کے یہ طریقے ہیں اور ان کو تقیہ اور توریہ کے طور پر بجالایا جاتا ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار!**

اہل اسلام احباب کو متنبّہ کیا جاتا ہے کہ ان کی رسومات میں شامل ہونے سے اجتناب کریں اور اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی فکر کریں۔ اور اتباع سنت کو اپنا معمول بنائیں۔ اور ان لوگوں کی تقریبات میں ہرگز شمولیت نہ کریں۔

ادارہ

اخبارُالاحرار

ختم نبوت کانفرنس لندن:

لندن (۱۹ر جولائی) ختم نبوت اکیڈمی لندن کے زیر اہتمام انڈیا مسلم فیڈریشن کے تعاون سے فیڈریشن کے ہال لے ٹن اسٹون لندن میں عالمی مبلغ عالمی مبلغ ختم نبوت مولانا عبدالرحمٰن باوا کی زیر صدارت منعقد ہونے والی پہلی سالانہ ختم نبوت کانفرنس کے مقررین نے کہا ہے کہ اسلام امن وآشتی کا مذہب ہے اور قرآن کریم آخری کتاب، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ورسول، ان کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا۔ مسیلمہ کذاب سے لے کر مسیلمہ پنجاب مرزا غلام قادیانی تک تمام مدعیان نبوت جھوٹے اور دھوکے باز تھے۔ قادیانیت کے دھوکہ سے بچنا اور دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہمارا فطری حق ہے۔ اس حق سے مسلمان کبھی دستبردار نہیں ہوسکتے۔ قادیانی بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کے حقوق پر شب خون مار رہے ہیں۔ یواین او سمیت تمام بین الاقوامی اداروں کو اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے اور اسلام اور مسلمانوں کا ٹائٹل استعمال کر کے دنیا کو دھوکہ دینے والے قادیانیوں کے بارے میں عالمی سطح پر قوانین وضع کرنے چاہئیں۔

کانفرنس سے ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا عیسیٰ منصوری، مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ، ختم نبوت ایجوکیشن سنٹر برمنگھم کے سربراہ مولانا امداد الحسن نعمانی، ایم ایم سی کیگزی کینیڈا کے نمائندے مولانا شفیق الرحمٰن، مولانا عبدالوہاب چترالی، مولانا سید غضنفر رحمان، ڈاکٹر کامران رعد، مولانا سہیل باوا، سابق قادیانی شاہد کمال، انور شریف اور دیگر مقررین نے خطاب کیا۔ جبکہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ کے صاحبزادگان جناب نجیب احمد اور جناب رشید احمد کے علاوہ مفتی محمود الحسن، طٰہٰ قریشی، احرار مشن برطانیہ کے سیکرٹری جنرل عرفان اشرف چیمہ اور دیگر حضرات نے خصوصی شرکت کی۔ حافظ محمد جمیل نے تلاوت قرآن پاک جبکہ کاشف، مبشر اور عادل صدیقی نے ہدیہ نعت پیش کیا جبکہ سٹیج سیکرٹری کے فرائض انور شریف نے انجام دیئے۔

مولانا عبدالرحمٰن باوا نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت، ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ ایک سو سے زائد آیاتِ قرآنی، دوسو سے زائد احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چودہ سو سال سے امت کا اجماع اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لاہوری وقادیانی مرزائیوں سمیت انکارِ ختم نبوت پر مبنی تمام گروہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ ان میں سے جو گروہ اسلام کا نام استعمال کر کے دنیا کو دھوکہ دیں گے، ہم پوری دنیا میں ایسے فتنوں کا محاسبہ کریں گے اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے عالمی سطح پر اپنی آواز بلند کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ پاکستانی مسلمانوں اور سیاست دانوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ فرینکفرٹ میں قادیانی جماعت کی ایک تنظیم ہیومینٹی فرسٹ کے زیر اہتمام منعقد کی گئی چیریٹی ڈنر میں ایک

قادیانی مقرر نے پاکستانی ایٹمی اثاثے یو این او کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔

مولانا محمد عیسیٰ منصوری نے کہا کہ نئی وحی اور نئے نبی کے ساتھ امتیں بھی بدل جایا کرتی ہیں۔ قادیانی، مرزا غلام قادیانی کے خود ساختہ الہامات کو وحی کہتے ہیں جو لفظ ''وحی'' کی توہین ہے۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ موسیو ظفر اللہ خان نے قائد اعظم کا جنازہ نہ پڑھ کے اس امر کی تصدیق کر دی تھی کہ قادیانی مسلمانوں کا حصہ نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نبی اور مسیح موعود تو دور کی بات ہے۔ مرزائی، مرزا قادیانی کو ایک شریف انسان ثابت نہیں کر سکتے۔ انھوں نے کہا کہ دورِ جدید کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ہمیں عالمی سطح پر ختم نبوت کا پیغام آگے بڑھانا چاہیے۔

مہمانِ خصوصی عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں پہلے جھوٹے مدعی نبوت اسود عنسی کو حضرت فیروز رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کیفر کردار کو پہنچایا تھا جبکہ مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کے خاتمے کے لیے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید کی قیادت میں لشکر روانہ فرمایا۔ انھوں نے کہا کہ قادیانی، عالم اسلام اور پاکستان کے خلاف دن رات خطرناک سازشوں میں مصروف ہیں۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قیادت میں تمام مکاتبِ فکر نے ۱۹۵۳ء میں قادیانی عزائم کو ناکام بنانے کے لیے تحریک چلائی تھی تو دس ہزار فرزندانِ توحید کے سینے گولی سے چھلنی کر دیئے گئے۔ آخر کار ۱۹۷۴ء میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے پارلیمنٹ کے ذریعے لاہوری و قادیانی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا۔ انھوں نے کہا کہ بھٹو نے اڈیالہ جیل میں اپنے آخری ایام اسیری کے دوران ڈیوٹی افسر کرنل رفیع الدین سے کہا کہ ''قادیانی پاکستان میں وہی حیثیت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو یہودیوں کو امریکہ میں حاصل ہے۔'' انھوں نے کہا کہ اسرائیلی فوج میں چھے سو قادیانی، عالم اسلام کے لیے خطرات پیدا کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ قادیانیت کا مذہبی محاسبہ تو اپنی جگہ لیکن ساتھ ساتھ ان کا سیاسی محاسبہ بھی وقت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ قادیانی سیاسی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں اور اکھنڈ بھارت ان کا مذہبی عقیدہ ہے۔ مولانا امداد الحسن نعمانی نے کہا کہ قادیانی مذہب دجل و تلبیس کا دوسرا نام ہے۔ یہ فتنہ دنیا میں اسلام دشمن لابیوں کے سہارے کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری محبت، ایمان کی علامت ہے۔ ختم نبوت کے لیے قربانی دینے کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

مولانا شفیق الرحمٰن نے کہا کہ ہم کینیڈا سے یہ پیغام لے کر آئے ہیں کہ تحفظ ختم نبوت کے لیے دنیا کے ہر حصے میں اس کام کو منظّم کیا جائے اور قادیانی سازشوں کو طشت از بام کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ مولانا سہیل باوا نے کہا کہ قادیانی سازشوں کے سدباب اور پاکستان کو قادیانی ریاست بننے سے بچانے کے لیے ۱۹۵۳ء میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قیادت میں تمام مکاتبِ فکر نے جس بے مثال اتحاد کا مظاہرہ کیا اسی کے نتیجہ میں پوری دنیا میں تحریک ختم نبوت منظّم ہوئی اور قادیانی ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں شکست سے دوچار ہوئے۔ سابق قادیانی شاہد کمال نے کہا کہ قادیانیت کسی مذہب کا نام نہیں بلکہ وہ ایک کلٹ ہے۔ انھوں نے کہا کہ قادیانی خلیفہ نے قادیانی امت کو مختلف قسم کے چندوں میں جکڑ رکھا

ہے۔انھوں نے قادیانیوں کی نئی نسل کو پیغام دیا کہ وہ مرزا قادیانی کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو ان پر اصلیت ظاہر ہو جائے گی۔ڈاکٹر کامران رعد نے کہا کہ یہ دور میڈیا ٹیکنالوجی اور لابنگ کا دور ہے۔ہمیں نئی نسل کو میڈیا اور لابنگ کے ہتھیاروں سے مسلح کرنا چاہیے۔

دیگر مقررین نے کہا کہ قادیانی پسماندہ ممالک میں سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ہمیں ان کی دھوکہ دہی کے سدباب کے لیے مناسب انتظام کرنا چاہیے۔کانفرنس میں سابق قادیانی لیڈر شیخ راحیل احمد مرحوم اور ممتاز عالم دین مولانا قاری عمران جہانگیری کے انتقال پر تعزیت کا اظہار کیا گیا اور مرحومین کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔آخر میں انڈین مسلم فیڈریشن کے شمس الدین آغا نے سب کا شکریہ ادا کیا۔

کانفرنس میں منظور کی گئیں قراردادیں:

(۱) آج کا یہ اجتماع برطانیہ بھر میں مختلف تنظیموں کے زیر اہتمام ان دنوں میں منعقد ہونے والی تمام کانفرنسوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

(۲) یہ اجتماع اس امر پر تشویش ظاہر کرتا ہے کہ پاکستان کی پارلیمنٹ کے ذریعے لاہوری و قادیانی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے اور اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کے باوجود قادیانی پوری دنیا میں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے اسلام اور مسلمانوں کے حقوق غصب کر رہے ہیں۔

(۳) یہ اجتماع حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ۱۹۷۴ء کی آئینی ترامیم اور ۱۹۸۴ء کے امتناعِ قادیانیت آرڈیننس پر عملدرآمد کی صورتحال کو بہتر بنانے اور کراچی اور اندورنِ سندھ، چناب نگر سمیت پورے ملک میں قادیانیوں کی ارتدادی تبلیغی سرگرمیوں کا سدباب کرے اور شعائر اسلامی کو استعمال سے قادیانیوں کو قانوناً روکا جائے۔

(۴) یہ اجتماع اقوامِ متحدہ اور عالمی اداروں سے پرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ مسلمہ بین الاقوامی قوانین کے تحت قادیانیوں کو اسلام کا ٹائٹل استعمال کرنے سے باز رکھنے کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔

(۵) یہ اجتماع گمبیا، انڈونیشیا اور ملائیشیا میں قادیانیوں کے حوالے سے سرکاری سطح پر کیے گئے اقدامات کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور تمام مسلم ممالک سے اپیل کرتا ہے کہ وہ قادیانی فتنے کا حقیقی جائزہ لے کر اسلام اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے مؤثر اقدامات کریں۔

(۶) یہ اجتماع بعض پاکستانی سیکولر سیاست دانوں اور مقتدر حلقوں کی طرف سے قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور عقیدۂ ختم نبوت کے حوالے سے ملک کی منتخب پارلیمنٹ کے دستوری اقدامات اور عدالتِ عظمیٰ کے فیصلوں کے خلاف مہم کی پرزور الفاظ میں مذمت کرتا ہے اور واضح کرنا چاہتا ہے کہ اگر ایسی کوئی بھی کوشش کی گئی تو یہ نہ صرف ۱۹۷۴ء کے پارلیمنٹ کے متفقہ فیصلے اور ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے تاریخی کردار سے مجرمانہ انحراف ہوگا۔

(۷) یہ اجتماع حکومتِ پاکستان پر واضح کر دینا چاہتا ہے کہ پاکستان میں ۱۹۷۳ء کے آئین کو اپنی اصلی حالت میں بحال کرنے کی آڑ میں اگر تحفظ ختم نبوت کے قوانین کو چھیڑنے کی کوشش کی گئی تو پاکستان کے غیرت مند مسلمانوں کے لیے یہ قطعی طور پر نا قابل قبول اور نا قابل برداشت ہوگا۔

(۸) یہ اجتماع حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ قیامِ پاکستان کے مقصد ''نفاذِ اسلام'' کی طرف پیش رفت کی جائے اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر قانون کے مطابق عمل درآمد کرایا جائے۔

(۹) یہ اجتماع برطانوی و یورپی ممالک کے تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنے ممالک کے قوانین کو ملحوظ رکھتے ہوئے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے سدباب کے لیے انفرادی و اجتماعی سطح پر مؤثر اقدامات کریں اور اپنی آئندہ نسلوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے بہتر بندوبست کریں۔

● دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے: سید محمد کفیل بخاری

● دینِ اسلام، تمام مسلمانوں کی مشترکہ متاع ہے: مولانا محمد مغیرہ

مسجد ابوبکر صدیق تلہ گنگ میں چالیس روزہ فہم دین کورس کے اختتام پر خطاب

تلہ گنگ (۲۳ر جولائی) مجلس احرار اسلام کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل سید محمد کفیل بخاری نے کہا ہے کہ دین سے آگاہی ہر مسلمان پر فرض بھی ہے اور ضرورت بھی۔ عالم کفر نے اپنی تہذیبی و ثقافتی یلغار سے مسلمانوں کو اس فرض اور ضرورت سے محروم کر دیا ہے۔ مسلمان جب تک دین کو زندگی کی ضرورت نہیں سمجھیں گے، اُس وقت تک کفر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

سید محمد کفیل بخاری مجلس احرار اسلام تلہ گنگ کے زیر اہتمام مسجد ابوبکر صدیق میں چالیس روزہ فہم دین کورس کے اختتام پر منعقدہ جلسہ سے خطاب کر رہے تھے۔ انھوں نے احرار کارکنوں اور مولانا تنویر الحسن نقوی کو فہم دین کورس منعقد کرنے پر مبارک باد پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ حالات میں رجوع الی اللہ اور رجوع الی القرآن کی اشد ضرورت ہے۔ قرآن کریم کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا، قرآن کے معنی سمجھنا، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنا اور اس کے معانی میں غور و فکر کرنا، سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہی حاصل کرنا اور اپنی زندگی کے تمام اعمال کو اس سے مزین کرنا، اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن اور اُجلے راستے پر چلنا اور سفر زندگی کو اسی پر مکمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اگر ہم اس ضرورت کا احساس کر لیں تو ہماری زبان، ہمارے اعمال، ہماری فکر، ہمارے اخلاق اور ہمارے معاملات درست ہو جائیں گے۔

جلسہ سے مجلس احرار اسلام کے مرکزی نائب ناظم مولانا محمد مغیرہ نے بھی خطاب کیا اور علم دین کے حصول اور فکرِ آخرت کی اہمیت پر نہایت اہم گفتگو فرمائی۔ انھوں نے کہا کہ دین اسلام ہم سب مسلمانوں کی مشترکہ متاع ہے۔ اس کا حصول، اس کا دفاع اور اس پر عمل ہر مسلمان کی ضرورت بن جانا چاہیے۔ سید محمد کفیل بخاری نے ۲۴ر جولائی کو مسجد ابوبکر صدیق میں اجتماعِ جمعہ سے بھی خطاب کیا۔

قادیانی، پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو نقصان پہنچانے کی سازش کررہے ہیں (عبداللطیف خالد چیمہ)

چیچہ وطنی (۲۳ر جولائی) مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ اسلام امن وآشتی کا دین ہے۔ اندرون ملک اور بیرون ممالک بعض قوتیں اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی تیز مہم پر ہیں۔ قادیانی گروہ پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کا ٹائٹل استعمال کر کے گمراہی پھیلا رہے ہیں اور پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کے بارے میں غلط تاثر دیا جارہا ہے۔ دورۂ برطانیہ کے بعد وطن واپس پہنچنے پر یہاں اخبارنویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ فرینکفرٹ میں قادیانیوں کی ذیلی تنظیم ہیومینٹی انٹرنیشنل نے ایک اجتماع میں مطالبہ کیا ہے کہ ''پاکستان کو اپنے ایٹمی اثاثے یو این او کے حوالے کر دینے چاہیے''۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان کے خلاف اسرائیل میں موجود قادیانی لابی ایٹمی ہتھیاروں کے خلاف صف بندی کررہی ہے اور قادیانی لابی ایٹمی اثاثوں کے خلاف موجودہ عالمی تناظر میں کارروائی کے لیے موجودہ ''وقت'' کو بہترین وقت سمجھتی ہے، انھوں نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ برطانوی مسلمان پاکستان کے بارے بہت فکرمند ہیں اور پاکستانی سیاستدانوں اور حکمرانوں کے رویوں اور پالیسیوں سے نالاں ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ عالمی سطح پر عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے سدباب کے لیے وہاں کے مذہبی رہنماؤں سے مشاورت ہوئی ہے اور جہاں جہاں یہ فتنہ پہنچ چکا ہے وہاں کام کے حوالے سے منصوبہ بندی بھی کی گئی ہے۔

ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ بیرونی دنیا کے سفارت خانے فتنہء قادیانیت کے سدباب کے لیے آئین پاکستان کی روشنی میں ضروری اقدامات نہیں کررہے جبکہ قادیانی میڈیا اور لابنگ کے ذریعے کفریہ طاقتوں کے آلۂ بن کر پاکستان کے امیج کو مزید برباد کررہے ہیں انھوں نے بتایا کہ عقیدۂ ختم نبوت بارے پوری دنیا میں بیداری پیدا ہورہی ہے اور قادیانی ریشہ دوانیوں کے سدباب کے لیے مختلف ممالک میں کام منظم ہو رہا ہے، علاوہ ازیں لندن سے آمدہ اطلاعات کے مطابق عبداللطیف خالد چیمہ نے لندن، آکسفورڈ، برمنگھم، ہڈرزفیلڈ اور گلاسگو میں متعدد اجتماعات اور تقریبات سے خطاب کیا جن میں انھوں نے برطانوی مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے اپنے ممالک کے مروجہ قوانین کو ملحوظ رکھتے ہوئے دینی تعلیمات اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلہ میں اقدامات کریں اور آئندہ نسلوں کے مستقبل کو محفوظ بنانے کے لیے اپنے تعلیمی ادارے قائم کریں۔

سالانہ ''تحفظ ختم نبوت کورس'' ملتان

ملتان (۲۶ر جولائی) مجلس احرار اسلام کے زیراہتمام دارِ بنی ہاشم میں دس روزہ سالانہ ''ختم نبوت کورس'' قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری کے افتتاحی بیان اور دعا سے شروع ہوگیا۔ انھوں نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اس کی اہمیت اور ضرورت قیامت تک باقی رہے گی۔ مسلمانوں کو اپنے عقائد کے تحفظ کے لیے نہ صرف علم دین حاصل کرنا چاہیے بلکہ دین دشمنوں کے عزائم سے بھی باخبر رہنا چاہیے۔ مبلغ ختم نبوت مولانا محمد مغیرہ نے اپنے لیکچر میں کہا کہ کفر نے ہر دور میں اسلام کے خلاف سازشی تحریکوں کو پروان چڑھایا، لیکن علماء نے ہمیشہ علمی وعملی میدان میں اُن کا بھرپور

مقابلہ کر کے انھیں شکست سے دوچار کیا۔ انھوں نے کہا کہ قادیانیت، اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کی ایک منظّم سازشی تحریک ہے۔ علامہ اقبال نے بھی قادیانیت کو یہودیت کا چربہ اور اسلام اور وطن کے خلاف سازش قرار دیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ عالمی استعماری قوتیں اسلام دشمنی میں قادیانیوں کی مکمل سرپرستی کر رہی ہیں۔ قادیانیوں کو اسلام کے نمائندے کے طور پر پیش کر کے امتِ مسلمہ کی پہچان اور مسلمان کی شناخت کو ختم کرنے کی گھناؤنی سازشیں کر رہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان میں قادیانیوں کی آئینی حیثیت متعین ہے، اس لیے قادیانیوں کی خلافِ اسلام اور خلافِ آئین سرگرمیوں کا کوئی جواز نہیں ہے۔ حکومت امتناعِ قادیانیت آرڈیننس پر عمل درآمد کو یقینی بنائے اور کفر و ارتداد کی تبلیغ کا راستہ بند کرے۔ مجلس احرار اسلام اور تحریک تحفظ ختم نبوت نے اسی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر تحفظ ختم نبوت کورسز کا آغاز کیا ہے۔ تاکہ مسلمان علمی، عملی اور تحقیق کے میدان میں اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا بھرپور مقابلہ کر سکیں۔

تحفظ ختم نبوت کورس 4/ اگست تک جاری رہے گا۔ جس میں مختلف علماء اور سکالر لیکچر دیں گے۔

مولانا عبداللہ بخاری قوم کے بہادر جرنیل تھے۔ شاہی امام پنجاب مولانا حبیب الرحمٰن

لدھیانہ (۸/ جولائی) دہلی جامع مسجد کے سابق شاہی امام حضرت مولانا عبداللہ بخاری کے اچانک انتقال پر مسلمانوں خصوصاً پنجاب کے دینی مرکز جامع مسجد لدھیانہ میں غم کا ماحول ہو گیا۔ مرحوم کو یاد کرتے ہوئے مجلس احرار اسلام کے قومی صدر و پنجاب کے شاہی امام مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی نے کہا کہ ان کے انتقال سے ہندوستان کے مسلمانوں کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ انھوں نے کہا کہ شاہی امام مولانا عبداللہ بخاری مرحوم قوم کے بہادر جرنیل تھے۔ مرحوم بخاری اور ان کے والد مفتی اعظم پنجاب مولانا مفتی محمد احمد رحمانی لدھیانوی مرحوم میں مضبوط تعلق تھا۔

مولانا حبیب الرحمٰن نے کہا کہ مجھے یاد ہے جب پنجاب میں میرے والد مرحوم نے دوبارہ مساجد کی آبادکاری کا کام شروع کیا تو جب لدھیانہ کی جامع مسجد آباد کی اور مولانا عبداللہ بخاری مرحوم کو لدھیانہ بلایا۔ پنجاب کے شاہی امام مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے۔ شاہی امام نے کہا کہ اگرچہ وہ ایک عرصہ سے امامت اور قیادت کے منصب سے دستبردار ہو چکے تھے، لیکن ان کا وجود ہمارے لیے سرپرستی تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہم شاہی امام مولانا احمد بخاری اور دیگر تمام اہل خانہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

اس موقع پر جامع مسجد لدھیانہ میں بعد نماز ظہر قرآن خوانی کے بعد شاہی امام مولانا عبداللہ بخاری مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔ اسی دوران مجلس احرار اسلام ہند کی پنجاب شاخ کی ایک تعزیتی میٹنگ چیئرمین ڈاکٹر سراج الدین بالی کی صدارت میں ہوئی جس میں احرار کے قومی جنرل سکریٹری محمد عثمان رحمانی لدھیانوی، محمد صابر جمالپورہ، پرویز عالم، محمد شاکر عالم کشن گنج، محمد انجم لالہ، محمد نظام محمد یس، ماسٹر اسلم بسی جودھیوال، محمد خالد، عبدالسبحان، غلام حسن قیصر، قاری الطاف الرحمٰن، محمد عمران، مجاہد طارق، قاری ابراہیم، محمد مستقیم، محمد احمد اور دیگر اہم احرار لیڈران شامل ہوئے۔ ان تمام حضرات نے دہلی جامع مسجد کے سابق شاہی امام مولانا عبداللہ بخاری کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے۔

ادارہ

مسافرانِ آخرت

● حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ: نام ور محدث، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمبل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند، جامعہ اسلامیہ راولپنڈی کے بانی و مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب گزشتہ ماہ انتقال کر گئے۔ مرحوم کے دل کا آپریشن ہوا مگر وہ جانبر نہ ہو سکے اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ مولانا مرحوم نے بھرپور دینی و سیاسی زندگی گزاری۔ جمعیت علماء اسلام میں شامل رہے، حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کے دستِ راست اور راولپنڈی میں ان کے میزبان تھے۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کی مجلس شوریٰ میں رہے، وزیر مذہبی امور کا قلم دان سنبھالا مگر مدرسہ سے تعلق اور تدریسِ حدیث کی سعادت انہیں مرتے دم تک حاصل رہی۔ آج کل پاکستان شریعت کونسل کے مرکزی رہنما تھے۔ ان والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ، جانشین امیر شریعت مولانا سید ابوذر بخاری اور مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہم اللہ کے استاذ تھے۔ حق تعالیٰ اُن کے حسنات قبول فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

● مولانا خورشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ: پاکستان میں تحریکِ خلافت کے بانی، عالم دین، محقق اور منجھے ہوئے خطیب و انشاء پرداز تھے۔ ہنس مکھ اور باوقار چہرہ، کردار کے اجلے، قول کے سچے اور عمل کے کھرے انسان تھے۔ گزشتہ ماہ مختصر علالت کے بعد لاہور میں انتقال کر گئے۔ مرحوم، داعیٔ خلافت بھی تھے اور داعیٔ اتحاد بھی۔ جب کبھی کسی مشترکہ اجلاس یا کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی وہ پورے خلوص کے ساتھ اس میں شریک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے۔ (آمین)

● پیر جی مولانا عبدالوحید رحمۃ اللہ علیہ: حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز حضرت پیر جی عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ (چیچاوطنی) کے فرزند، گزشتہ ماہ عارضۂ قلب سے انتقال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں۔ (آمین)

● محمد الیاس مرحوم: مولانا سمیع اللہ صاحب (اسلام آباد) کے جواں سال فرزند

● اللہ دتہ مرحوم: مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم کارکن، انتقال: ۲؍جولائی ۲۰۰۹ء

● اہلیہ مرحومہ، حافظ محمد اکرم احرار (میراں پور، میلسی) انتقال: ۱۰؍جولائی ۲۰۰۹ء

● دادی مرحومہ، مولوی کریم اللہ (ظاہر پیر، ضلع رحیم یار خان) ● والدہ مرحومہ، حافظ محمد صدیق مظہر (ڈیرہ غازی خان)

● شیخ نیاز احمد مرحوم (مجلس احرار اسلام اوکاڑہ کے امیر شیخ نسیم الصباح کے ماموں)

● اہلیہ مرحومہ، رب نواز صاحب/ والدہ مرحومہ، احمد صاحب تلہ گنگ

قارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاء مغفرت کا اہتمام فرمائیں۔ حق تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ (آمین)

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی
سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
قائم شدہ
28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

الحمدللہ

مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی وفکری سفر پر گامزن ہے اور تسلسل کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ طلباء کے لیے مدرسہ معمورہ اور طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ وناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری و مڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے۔

- دارالقرآن
- دارالحدیث
- دارالمطالعہ
- دارالاقامہ

کی تعمیر میں حصہ لیں

مدرسہ کے مسافر طلباء کے طعام، علاج، تعلیم اور دیگر ضروریات کے لیے زکوٰۃ وعشر اور دیگر صدقات عنایت فرما کر اجر حاصل کریں

طلباء کی درس گاہوں، رہائش، دفتر اور لائبریری کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دومنزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔ لاگت فی کمرہ دولاکھ پچاس ہزار روپے ہے۔ صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد وسامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔

رابطہ
061 - 4511961
0300-6326621
majlisahrar@yahoo.com
majlisahrar@hotmail.com

ترسیلِ زر

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری مدرسہ معمورہ
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان
بذریعہ آن لائن: 2-3017-010 بینک کوڈ: 0165

الداعی الی الخیر
مہتمم
ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری
مدرسہ معمورہ ملتان

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ بستانِ عائشہ

بانی
سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
قائم شدہ
1989

کی تعمیر شروع ہے

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

تین درس گاہیں، وضو خانہ اور طہارت خانے تعمیر ہو چکے ہیں۔ چھے درس گاہوں کی تعمیر باقی ہے۔

مخیر حضرات

نقد رقوم، اینٹیں، سیمنٹ سریا بجری اور دیگر سامانِ تعمیر دے کر جامعہ کے ساتھ تعاون فرمائیں

★ 1989ء میں دارِ بنی ہاشم کے رہائشی مکان میں ایک معلّمہ سے بچیوں کی دینی تعلیم کا آغاز کیا گیا۔

★ مدرسہ میں شعبہ حفظ و ناظرہ، ترجمۂ قرآن و تفسیر اور فقہ کی تعلیم جاری ہے

تخمینہ
30,00,000
(تیس لاکھ روپے)

فی کمرہ لاگت
3,00,000
(تین لاکھ روپے)

نوٹ
اپنے عطیات، زکوٰۃ و صدقات جلد از جلد عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ تاکہ جامعہ کا تعلیمی سلسلہ بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہ سکے۔ (جزاکم اللہ خیر)

رابطہ
061 - 4511961
0300-6326621

ترسیلِ زر
بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری مدرسہ معمورہ
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان
بذریعہ آن لائن: 2-3017-010 بینک کوڈ: 0165

الداعی الی الخیر
ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری
مہتمم جامعہ بستانِ عائشہ ملتان

Designed by 0300-6321388